جلد 2 شمارہ 5 جولائی 2000ء ربیع الثانی 1421ھ

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝ (الرعد)

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کا۔ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانہ ہے۔

ماہنامہ

آدمیت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

گوجرانوالہ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول ﷺ، کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالےٰ کے قرب و عرفان اور اسکی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے اصحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اوراد و اذکار کی تلقین۔
- غصہ و نفرت، حسد و بغض، تجسس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و اعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالی کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالی کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ گوجرانوالہ

آدمیت فلاح

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

نگران و سرپرست

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 2 شمارہ 5 جولائی 2000ء ربیع الثانی 1421ھ

ایڈیٹر عبدالقیوم ہاشمی

شعبہ سرکولیشن وحید احمد

قیمت ———— -/15 روپے

سالانہ فنڈ ———— -/150 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی

کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ

Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:

عبدالقیوم ہاشمی

تھانہ روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ

Ph:0431-260734

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519

E-mail: asbm@guj.pol.com.pk

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

مختلف انبیائے کرام کی بعثت پہ مختلف معجزات ظہور میں آئے۔ مثلاً" حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں جادو کے کمالات اور شعبدے بہت ترقی کر چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عصا مبارک کا معجزہ عطا فرمایا جس نے بنی اسرائیل کے کمالات کو نگل لیا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں طب کا دور دورہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو جو معجزہ عطا فرمایا اس کی بدولت پیدائشی اندھے اور کوڑھ کے مریض لوگ بھی شفایاب ہوئے۔ چونکہ آنحضور ﷺ کو قیامت تک کے انسانوں کے لئے نبی' رسول اور ہادی بنا کر بھیجا گیا اس لئے آپ کو دائمی معجزہ قرآن کریم عطا کیا گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ کے دور میں عرب شاعروں کو اپنی شاعری پہ بہت ناز تھا مگر قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کو ملاحظہ کرنے کے بعد تمام شاعروں کی زبانیں گنگ ہو گئیں اور اکثر نے تو شاعری ہی ترک کر دی۔ ایک معروف عربی شاعر سے جب کچھ لوگوں نے چند اشعار سننے کی درخواست کی تو اس نے کہا افا بعد القران (کیا قرآن کے بعد بھی اس کی گنجائش ہے؟)

آج کا دور علوم و فنون اور سائنس و ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ غلامی کے سبب مسلمان یہ سمجھتے رہے کہ یہ اسلام سے جدا کوئی علم ہے حالانکہ قرآن کریم میں مشاہدہ نفس و کائنات پہ غور و فکر کی دعوت 750 مرتبہ دہرائی گئی ہے یعنی عقلی و ذہنی و سائنسی علوم پہ قرآن کریم ہمیں بار بار تفکر کی دعوت دیتا ہے۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ فَذَکِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ (سورہ غاشیہ 17-21)

"کیا یہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے بنایا گیا؟ اور آسمان کو کہ کیسے اس کو بلند کیا گیا اور پہاڑوں کو کہ کیسے کھڑے کئے گئے اور زمین کو کہ کیسی صاف بچھائی۔ سو آپ ﷺ سمجھاتے رہئے کہ آپ کا کام تو سمجھاتے رہنا ہے"

قرآن کریم کی تلاوت سے یہ بات واضح اور روشن ہو جاتی ہے کہ یہ کلام ہمارے لئے دنیا اور آخرت کی کامیابیوں کا ضامن ہے۔ اس کی خوبیوں میں سے ایک اہم خوبی یہ ہے کہ یہ عقل و شعور کے استعمال پہ بے حد زور دیتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عقل میرے دین کا جزو ہے۔ لہٰذا کائناتی حقائق معلوم کرنے کے لئے انسانی عقل کا استعمال ناگزیر ہے اور جو حقائق ماورائے

عقل ہیں (لیکن خلاف عقل نہیں) اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی آخری کتاب قرآن حکیم میں تفصیلاً" اور جامعیت کے ساتھ بیان فرما دیا مثلاً" اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات، فرشتے، جنت و جہنم اور قیامت وغیرہ، جب کہ وہ علوم و فنون جو انسان اپنی عقل کی بدولت حاصل کر سکتا ہے انہیں قرآن کریم نے ضمناً" اور اجمالاً" بیان کر دیا ہے جس کے متعلق قرآن کریم وعلم آدم الاسماء کلھا کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ کیونکہ بحیثیت مسلمان ہم نے ان علوم کی تحصیل میں غفلت کی تو خلافت کا منصب ہم سے چھین لیا گیا اور دنیا میں سب سے زیادہ پٹائی اور رسوائی بھی مسلمانوں کی ہو رہی ہے۔ ہماری ذہنی پستی کا اندازہ اس بات سے لگ جاتا ہے کہ جس علم اور ٹیکنالوجی کے حصول کے لئے سینکڑوں مرتبہ آیات نازل ہوں ان علوم کو ہم نے غیر اسلامی، دنیاوی اور مغربی علوم کا نام دے کر اپنی عقل پہ تالا لگا دیا۔ قرآنی منشا کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی ہم نے دینی تعلیم اور دنیاوی تعلیم کی خود ساختہ اصطلاحات کی اختراع کر لی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے جو فرمایا کہ علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین جانا پڑے۔ کیا اس فرمان سے آنحضور ﷺ کا مقصود سائنسی علوم کی تحصیل نہیں تھا؟ اس وقت تو چین میں صرف "دنیاوی علوم" ہی رائج تھے۔ ہماری کوتاہ اندیشی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ انہی علوم کی تحصیل کے خلاف ہمارے نامور علماء نے فتوے جاری کئے۔ انہی جاہلانہ حرکات کی وجہ سے آج مسلمان تباہی کے دھانے پر آ کھڑے ہوئے ہیں۔ باد مخالف جس سمت چاہتی ہے ہمیں اڑائے پھرتی ہے۔ اب ذہنی غلامی کے سبب ہی سے مسلمان جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ کہنے پہ مجبور ہیں۔ اول منشائے قرآنی تو یہ ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ تعلق باللہ کو مضبوط سے مضبوط کرتے چلے جائیں جو کہ ذکر، نماز، تلاوت، نوافل اور صالح صحبت کی کثرت سے ممکن ہے اور دوم خلافت ارضی کا منصب سنبھالنے کے لئے علم الاسماء یعنی سائنس و ٹیکنالوجی اور جدید علوم کو اپنی گرفت میں لے لیں تا کہ دنیا امن و امان اور خوشیوں کا گہوارہ بن سکے۔ بہ الفاظ اقبالؒ (فقر قرآن؟ اختلاط ذکر و فکر)

اگر ہم اللہ سے تعلق کو ہی مضبوط کر لیتے تو یقیناً" اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی ایمانی حالت کی بہتری کے ساتھ خلافت کا منصب بھی عطا کر دیتے۔ بقول حضرت اقبالؒ

ولایت، پادشاہی، علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں؟ فقط اک نکتہ ایمان کی تفسیریں

آج اگر مسلمان حکم الٰہی پر عمل پیرا ہو کر ریسرچ کرتے تو اللہ تعالیٰ کی ذات پہ پختہ یقین رکھتے

اور اس کی تخلیقات کو سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی فکر اور سوچ کو زیادہ سے زیادہ سمجھتے کیونکہ تصویر سے مصور کی اور تخلیق سے خالق کی پہچان ہوتی ہے۔ سائنسی حقائق کا جاننا اور مطالعہ کائنات دراصل اللہ کی ذات و صفات کا عرفان حاصل کرنا ہے۔ بقول شخصے

"We are studing the mind of God"

اس صدی کے عظیم سائنسی انکشافات نے مغربی دنیا کی مادی سوچ اور متعصب فکر کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ اس عظیم کارنامے کا سہرا کسی مسلمان کے سر نہیں جاتا بلکہ آئن سٹائن اور سٹیفن ہاکنگ جیسے عظیم فطرت آشنا افراد کے سر جاتا ہے۔ آئن سٹائن نے سائنسی تحقیقات (Theory of Relativity) سے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ وقت (Time) اور مکاں (Space) کا جو اندازہ ہم نے لگایا ہوا تھا وہ درست نہیں بلکہ ہماری زمین کے معیار کا دوسرے عوالم اور کروں سے مختلف ہے۔ کہیں یہ وقت ہماری زمین سے تیز رفتاری سے گزر رہا ہے اور کہیں سست رفتاری سے۔ یہی حقیقت قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے۔ اسی طرح آئن سٹائن نے اپنی تحقیق سے یہ بھی ثابت کر دیا کہ اس مادی دنیا سے ماوراایک غیرمادی اور نوری و روحانی دنیا آباد ہے جس میں داخلے کے لئے مادی وجود کو روشنی کی رفتار کے مربع (E=mc2) کے برابر تیز رفتاری درکار ہے اور جہاں تک سٹیفن ہاکنگ کی کہکشائی تحقیقات میں Black Holes اور کائناتی تخلیق و تخریب کے متعلق تشریحات ہیں وہ بالکل سورہ واقعہ کی آیت نمبر75 کی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔ الغرض انہی تحقیقات سے روگردانی کی بدولت ہم اللہ کی نظر سے گر چکے ہیں۔ انہی سائنسی علوم سے کنارہ کشی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے 57 اسلامی ممالک کی مجموعی سالانہ آمدنی اکیلے فرانس جیسے ملک سے بھی کم ہے۔ یعنی ہم دنیا میں ذلت آمیز شکست سے دوچار ہیں اور روز آخرت بھی اللہ تعالیٰ کے حضور جواب طلبی یقنی معلوم ہوتی ہے۔ اولم ینظروا فی ملکوت السموت والارض وما خلق اللہ من شی وان عسی ان یکون قد اقترب اجلھم فبای حدیث بعدہ یومنون (کیا یہ لوگ کائنات اور اس میں جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں ان پر غور نہیں کرتے معلوم ہوتا ہے ان کی موت نزدیک آگئی ہے سو وہ اسکے بعد کس بات پہ ایمان لائیں گے) (الاعراف۔185)

اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ وہ ہماری غلطیوں کو معاف فرمائے اور بحیثیت مسلمان ہمیں ہمارے فرائض سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

(والسلام۔ عبدالقیوم ہاشمی)

درس قرآن

رشوت اور ناجائز شفارش

یاایھا الذین امنوا لا تاکلوآ اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھآ الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون (سورہ بقرہ ـ ۱۸۸)

ترجمہ! "اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کے مال' باطل' ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے اس غرض سے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کو قصداً" ظالمانہ اور ناجائز طور پر کھانے کا موقعہ ملے۔

تفسیر و تشریح

مندرجہ بالا آیت سورہ بقرہ کے رکوع ۲۳ اور آیت ۱۸۸ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس آیت کے ابتدائی الفاظ بالباطل تک سورہ المائدہ آیت ۴۲ میں بھی آئے ہیں۔ اس آیت میں جیسا کہ اس کے ترجمہ سے واضح ہوتا ہے کہ "ایمان والو! تم ایک دوسرے کے مال ناجائز اور باطل طریقوں سے نہ کھاؤ" میں تمام ان ذرائع سے منع کیا گیا ہے جو ناجائز کمائی کا ذریعہ ہو سکتے ہیں جن میں سٹہ' سود' جوا' لاٹری' رشوت اور دھوکہ دہی' خیانت شامل ہیں' مگر اس آیت میں اگلہ حصہ کہ حکام کے پاس اس غرض سے پیش کرنا کہ دوسروں کا مال ناجائز طریقہ سے کھایا جا سکے یا دوسروں کا حق مارا جا سکے' صریحاً" رشوت کی طرف اشارہ ہے جو حاکموں کے پاس اس غرض سے پیش کی جاتی ہے کہ اس کے ذریعہ حاکم کا فیصلہ اپنے حق میں کرا کر دوسرے کی حلق تلفی کی جائے۔ اس کے مال کو اپنے حق میں فیصلہ کرا کر کھایا جا سکے۔

رشوت کی صورتیں

رشوت کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ نقد رقم کی صورت میں بھی ہے کسی تحفہ اور نذرانہ کی صورت میں بھی ہے۔ یہ ساری صورتیں رشوت کے ذیل میں آتی ہیں جن کے ذریعہ کسی کارندے' حاکم یا افسر کو راضی کر کے اپنی مقصد برآری کی جائے۔ رشوت دینا اس لئے ناجائز ہے کہ اس سے دوسروں کی حق تلفی اور حق ماری ہوتی ہے۔ رشوت دینے والا با اثر اور صاحب حیثیت ہو

کر اپنے روپے پیسے سے دوسرے ایسے فریق کی حق تلفی کرالیتا ہے جو غریب اپنی مالی مجبوری سے ایسا کام نہیں کر سکتا اور حاکم سے اسے جو انصاف کی توقع ہوتی ہے وہ پوری نہیں ہو پاتی۔

رشوت لینے والے کے لئے بھی یہ اتنا ہی بڑا جرم ہے کہ وہ جان بوجھ کر اپنے ذاتی مفاد اور فائدے کے پیش نظر دوسرے کسی غریب فریق کا حق مارتا ہے' اسے ساری عمر کے لئے حق سے محروم رکھ کر اس کی اور اس کی نسلوں تک کے ساتھ زیادتی اور محرومی کا موجب بن کر دوسرے فریق کی اس کی عمر بھر کی ناجائز اور حرام کمائی میں شریک کار بن جاتا ہے جسے اس نے اپنے فیصلے میں ناجائز طور پر حقدار بنایا ہوتا ہے۔

رشوت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ اگر کسی کا حق ماری و حق تلفی کا دائمی فیصلہ سے تعلق تو نہیں ہوتا مگر کسی غریب کا جائز کام رکا ہوا ہے اور دفتری لوگ محض رشوت کے حصول کے لئے اسے اٹکائے رکھتے ہیں' اس میں مین میخ نکالتے ہیں' اعتراضات کرتے ہیں اور اس کام میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈال کر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ کچھ نقد یا جنس کی صورت میں ادا کر کے اپنا کام نکلوائے۔ اس سلسلہ میں دفتری امور کے راستوں کی پیچیدگیاں ہوں یا ملازمت کا حصول ہو یا کوئی کاروباری ضرورت ہو یا کسی بیچارے کی تنخواہ کا بل ہو یا کسی ٹھیکیدار کی کارکردگی کا معاوضہ ہو' ایسے تمام کام آج کل ہمارے دفتری معاملات کی مذموم و مکروہ روایات بن چکی ہیں کہ ۔ دام بنائے کام۔ کے بغیر کسی معاملے' کسی فائل اور کاغذات میں رشوت کے پہیے اور بیساکھیاں لگائے بغیر اسے منظوری کے مرحلوں سے نہیں گزارا جاسکتا۔

رشوت کے انداز

پاکستان میں یہ روایت اور محاروہ زبان زد خلائق ہے کہ کسی کی قابلیت اور لیاقت کو نہیں دیکھا جاسکتا' کیونکہ لیاقت یعنی لیاقت خان کو خود پاکستانیوں نے گولی مار کر شہید کر دیا ہے البتہ قائداعظم کا فرمان چلتا ہے' اس کی تصویر بازاروں میں جس طرح بازاری قدر و قیمت رکھتی ہے اسی طرح وہ تصویر۔ نوٹوں پر چھپی ہوئی۔ دفتروں میں بھی چلتی ہے۔ بانی پاکستان اب تو نہیں ہیں مگر ان نوٹوں پر چھپی ہوئی تصویر معجزے دکھا رہی ہے۔ اس کی قدر و منزلت لوگوں کے دلوں میں موجود ہے۔

1۔ رشوت کا یہ انداز کاروبار دفتری سطح سے لے کر عدالتوں تک اور عدالتی سطح سے لے کر

حکومت کے ایوانوں تک جاری و ساری ہے۔ پلاٹوں کے عوض، عہدوں اور وزارتوں کے صلے میں، بھاری اور بیش قیمت پرمٹوں کی صورت میں، تعمیراتی اور ترقیاتی فنڈز کی شکل میں، پجارو اور مرسڈیز کاروں کی صورت میں سیاسی رشوتیں چلتی ہیں اور ان رشوتوں کے بدلے میں ممبروں کی حمایت حاصل کی جاتی ہے اور اس قسم کی حمایت کا تسلسل برقرار رکھ کر حکومت کی کرسی مضبوط کی جاتی ہے۔ ان سب میں ایک قسم کی سیاسی رشوت یہ بھی ہے کہ کسی اسمبلی کے ممبر کو بیرون ملک عیاشی کے لئے بھیج دیا جائے۔ حالانکہ وہ ممبر اپنی تعلیمی، سیاسی اور علمی قابلیت کے اعتبار سے کسی ملک کے دورے میں سوائے ذاتی عیاشی کے کوئی ملکی، قومی کارنامہ سرانجام دے کر نہیں لوٹتا اور نہ بھیجنے والی حکومت کے سامنے ایسا کوئی مقصد ہوتا ہے۔ بس "خیر سے بدھو گھر کو آجاتا ہے" اور اس عیاشی اور قومی دولت پر سیر کر کے اسی طرح گھر آجاتا ہے جیسے ماں باپ شرارتی بچے کو پیسے دے کر ٹافیاں کھانے کے لئے بازار بھیج دیتے ہیں۔

2۔ پھر رشوت کی ایک قسم ہمارے ہاں یہ بھی رائج ہے کہ حکومت کا سربراہ کسی غیر ملکی دورے پر اپنے ساتھ وزیروں، مشیروں کی فوج ظفر موج لے کر روانہ ہوتا ہے جس دورے میں کام کے دو چار آدمی ہی کافی ہوتے ہیں جو دورے کے سیاسی اور فنی معاملات کے لئے ضروری ہو سکتے ہیں، باقی سب عیاشی اور قومی خزانے پر سیاحت و تفریح، خرید و فروخت اور دل بہلاوے کے لئے ساتھ رکھے جاتے ہیں تاکہ سند رہیں اور بوقت ضرورت کام آئیں۔ پھر ان قومی دوروں میں بیگمات کیا تیر مارتی ہیں کہ انہیں بھی نمائش اور تماشا بننے کا موقعہ دیا جاتا ہے، سوائے اس کے کہ گھریلو سامان اور آرائشی و آسائشی خرید و فروخت میں ان کے تجربے سے کام لیا جاسکے تاکہ واپسی پر خلاف مرضی اور ناپسندیدہ خریداری کی خفت اور شرمندگی سے بچا جاسکے۔

پھر رشوت کی ایک انتہائی گھناؤنی اور گھٹیا قسم بھی پس پردہ ہی نہیں بلکہ کھلے بندوں چلتی ہے۔ وہ اپنی مکروہ شکل میں عورتوں کا استعمال ہے جسے اہلکاروں کو پیش کرنے کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ یہ نہیں تو مہذب صورت یہ ہے کہ سوشل تقاریب اور سرکاری محافل میں افسروں کی بیگمات، مستورات اور لڑکیاں گھل مل کر اپنے اپنے شکار کو پھانستی ہیں، جہاں ان کے خاوندوں کی ترقیوں، مراعات اور سرکاری معاملات کی گاڑی رکی ہوئی ہوتی ہے یا ایک دوسرے کے دلوں میں نرم گوشے

پیدا کئے جاتے ہیں۔

رشوت یہ تمام صورتیں ہیں جنہیں ہر کوئی جانتا اور دیکھتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔ ھدایا العمال غلول عمال حکومت یا نمائندگان حکومت جو ہدیے بھی وصول کرتے ہیں وہ حرام ہیں۔ ہدیہ کی تعریف چھوٹے سے چھوٹے تحفے سے لے کر بڑے سے بڑے تحفے نذرانے اور سیاسی رشوت پر حاوی ہے۔ ہر وہ نذرانہ یا ہدیہ جو اس کی جائز تنخواہ معاوضے اور حق الخدمت کے علاوہ دیا جائے' وہ حرام ہے سرکاری اور دفتری اور ملازم جو تنخواہ حکومت سے پاتا ہے مگر کسی کام کی بجاآوری پر متعلقہ کام کے فریق سے زائد معاوضہ طلب کرتا ہے' رشوت ہے' خواہ لینے والا اسے لے یا دینے والا اسے ادا کرے' خواہ اس ادائیگی میں ان کی مجبوری ہو یا رضامندی' دونوں صورتوں میں ناجائز ہے اور حرام ہے۔ الراشی والمرتشی فی النار حضور پاک ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق دونوں جہنمی ہیں۔ ایک مقام پر دونوں پر لعنت بھیجی گئی ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ جس قوم میں رشوت پھیل جائے وہ قوم بزدل ہو جاتی ہے۔ یہی حکم والیان امر کا ہے جو معاملات میں نقد یا تحفے لے کر امداد کریں۔ بیع و شرا کے ہوں۔ مواجرۃ مضارب' مساقات مزارعہ کے ہوں' سب ناجائز ہیں اور ان کی آمدن قطعی حرام کے زمرے میں آتی ہے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں اس سلسلہ میں سخت احتساب ہوتا تھا اور انہوں نے رشوت کی روک تھام کے لئے بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں۔ انگریزوں نے مسلمانوں کے اندر رشوت کی وباء عام کرنے کے لئے اور انہیں حرام مال کا ذائقہ چکھانے کے لئے ایسے تمام محکموں کے ملازمین کی تنخواہیں جان بوجھ کر کم رکھی تھیں کہ ان ملازمتوں میں بیرونی اور فالتو کمائی کے امکانات زیادہ تھے۔ پولیس کا محکمہ' محکمہ جنگل اور محکمہ مال کے نچلے درجے کے ملازمین کا اس وقت بھی یہی حال تھا اور آج بھی یہی حال ہے۔ ان محکموں میں اب بھی یہ حال ہے کہ نچلے درجے کے ملازمین تنخواہ کے رجسٹروں پر صرف دستخط کرتے ہیں اور تنخواہیں افسروں کو چھوڑ دیتے ہیں' کیونکہ ان کی بیرونی آمدن ان کی تنخواہوں کی قلیل آمدن بلکہ جائز آمدن کے مقابلے میں اونٹ کے منہ میں زیرے کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ محکمہ جنگل میں تو یہ روایت عام ہے کہ رینج کے متعلق فارسٹ گارڈ رینج افسر کے کچن کا سارا خرچہ بھی برداشت کرتا ہے۔ ہمیں ان کے افسر کے بتلانے کی ادائی

تقریب میں شریک ہونے کا موقع ملا تو دعوت کے انتظامات اور کھانے کی افراط' انواع و اقسام کے خوان دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی بہت بڑے بادشاہ اور رئیس نے وزیر اعظم کو بلایا ہو۔

رشوت کے ذریعہ دوسرے حقدار کے مال یا اس کے حق کو اپنے حق میں فیصلہ کرانے سے وہ حق یا مال کسی کا نہیں بن جاتا۔ حاکم مقدمہ کی روداد سے یا رشوت کے ذریعہ مال تو دلوا دے گا' مگر اس کا یہ فیصلہ خدا کے نزدیک کسی کو مالک اور حقدار نہیں بنا سکتا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ ہو سکتا ہے تم کوئی مقدمہ میرے پاس لاؤ اور ایک فریق چرب زبانی سے کام لے کر فیصلہ اپنے حق میں کرا دے۔ میرا ایسا کوئی فیصلہ جو دوسرے کی حق تلفی پر مبنی ہو گا تو اس سے تم دوزخ کا ٹکڑا حاصل کرو گے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے سمعون لکذب اکلون للسحت فان جاوک فاحکم بینهم بالعدل او اعرض عنهم وان تعرض عنهم فلن یضروک شیا فان حکمت بینهم فاوا بالقسط۔ ان الله یحب المقسطین "جھوٹی باتیں بنانے والے' جاسوسی کرنے والے' اور رشوت کا حرام مال کھانے والے اگر تمہارے پاس کوئی مقدمہ لے کر آئیں تو تمہیں اختیار ہے کہ تم ان کے درمیان فیصلہ کرو یا انکار کر دو۔ تمہارا ایسے لوگوں کے فیصلے میں کوئی نقصان نہیں ہے اور اگر فیصلہ کرنا چاہو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف پسندوں سے محبت کرتا ہے"۔ ان آیات میں یہودیوں کے مفتیوں اور قاضیوں کی طرف اشارہ ہے جو جھوٹی شہادتیں سن کر یا رشوتیں کھا کر لوگوں کے حق میں انصاف کے خلاف فیصلے کیا کرتے تھے۔

خیبر کے یہودی خاندانوں میں ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان ناجائز تعلق پایا گیا۔ ان کی اپنی الہامی کتاب توراۃ میں بھی اس کی سزا رجم تھی' لیکن یہودی سنگسار کرنے کی یہ سزا دینا نہ چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ حضور ﷺ سے کرائیں تاکہ حضور ﷺ کے دین میں رجم (سنگسار کرنے) کے خلاف کوئی حکم ہوا تو مان لیں گے اور اگر یہی توراۃ کے مطابق رجم ہی فیصلہ ہوا تو نہ مانیں گے۔

آپ ﷺ نے قرآن کریم کے حکم کے مطابق رجم کا فیصلہ سنا دیا۔ چنانچہ انہوں نے اس فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا تو حضور ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ آپ کے مذہب میں اس کی کیا

سزا ہے تو بولے کہ ہم اس جرم میں کوڑے مارتے ہیں اور منہ کالا کر کے گدھے پر الٹے منہ بٹھا کر تشہیر کرتے ہیں۔ یہودی علماء نے بھی یہی جواب دیا۔ ان میں ایک شخص ابن صوریا' جو خود یہودیوں کے بیان کے مطابق توراۃ کا بہت بڑا عالم تھا' اسے حضور ﷺ نے قسم دی کہ خدا کی قسم کھا کر کہو' جس نے تمہیں فرعون سے نجات دلائی اور اور طور پر شریعت عطا کی' کہ توراۃ میں اس جرم کی سزا کیا ہے؟ اس نے اس قسم سے مجبور ہو کر سچی بات کہی کہ زنا کی سزا توراۃ میں بھی یہی رجم ہے' مگر ہمارے ہاں جب زنا کی کثرت ہو گئی تو ہمارے حکام بڑے لوگوں کو چھوڑ دیتے اور چھوٹے لوگوں کو رجم کیا جاتا تھا' جس سے عوام میں ناراضگی پھیل گئی تو ہم نے توراۃ کا یہ قانون ہی بدل دیا۔ اب ہم زانی اور زانیہ کو کوڑے لگا کر منہ کالا کر کے گدھے پر الٹے منہ سوار کرتے ہیں۔ ابن صوریا کی اس سچی بات پر یہودیوں کے پاس بولنے کی کوئی گنجائش نہ رہی تو حضور ﷺ کے فیصلے کو نافذ کرنا پڑا۔

اس آیت نے یہودیوں کی مذہبی پیشوائی کا بھرم کھول دیا کہ یہودیوں کے مذہبی پیشوا جنہوں نے تمام عربوں پر اپنی دینداری اور اپنی کتابی علمیت کا سکہ جما رکھا تھا' ان کی بددیانتی کا یہ حال تھا کہ جس کتاب کو وہ خود خدا کی کتاب مان رہے تھے اور اس پر ایمان کے دعویدار تھے' اسے چھوڑ کر حضور ﷺ کے پاس مقدمہ لے کر آئے جس کے پیغمبر ہونے پر انہیں شدت سے انکار تھا۔ ان کا یہ راز فاش ہوا کہ ان کا ایمان صداقت پر مبنی نہیں بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کا تابع ہے۔ جس کتاب کو خدا کی کتاب مان کر اس سے منہ موڑتے ہیں کہ اس کا حکم ان کے نفس کی خواہش کے خلاف ہے اور جسے وہ معاذ اللہ جھوٹا نبی کہتے ہیں۔ اس کے پاس اس لئے آتے ہیں کہ شاید ایسا کوئی فیصلہ دے دے جو ان کی منشا کے مطابق ہو۔

یہودیوں کی بددیانتی اور اپنی الہامی کتاب پر ایمان کی قلعی کھل جانے کے بعد ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہم جس کتاب "قرآن کریم" اور اس کے احکامات پر ایمان لاتے ہوئے عدالت کی کرسی' حکومت کے تحت اور اختیارات کی مسندوں پر بیٹھ کر اس کتاب کے احکامات کے خلاف فیصلے دے دیتے ہیں اور رشوتیں یا سفارشیں سن کر دوسروں کا حق مار کر خدا کے احکامات سے روگردانی کرتے ہیں تو ہمارے اور یہودیوں کے درمیان کیا فرق باقی رہ جاتا ہے۔

رشوت کا ایک اور انداز

حضرت ثوبان ﷺ کی روایت کے مطابق رشوت دینے اور لینے والوں کے درمیان دلالی اور ایجنٹی کرنے والا بھی لعنتی ہے۔ (مسند احمد بیہقی)

بیوی بچوں کے لئے انسان اکثر اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ سکتا' اس کی خواہش ہوتی ہے کہ گھر میں ہر قسم کی آسائش و آرائش ہو تاکہ گھر والے اپنے ملنے والوں میں ناک اونچی رکھ سکیں۔ سسرال والے تعریف کریں کہ کیا اچھا داماد ملا ہے' بیوی کو سونے سے لاد دیا' کونسی چیز ہے جو گھر میں موجود نہیں' ایئر کنڈیشنر ہے' گاڑی ہے' ریفریجریٹر ہے' ٹیلی ویژن ہے' واشنگ مشین ہے' اعلیٰ قسم کا فرنیچر ہے' قالین ہے' بچے انگریزی سکول میں پڑھتے ہیں۔ بس اللہ کا فضل ہی فضل ہے۔ پوچھا جائے کہ یہ سب کچھ جسے حاصل ہے وہ کام کیا کرتے ہیں۔ جواب ملے گا تھانیدار ہیں' کسی محکمے کے انسپکٹر ہیں' رجسٹرار ہیں' انکم ٹیکس افسر ہیں۔ محکمہ مال میں ملازم ہیں' لائسنس جاری کرنے والے دفتر میں ملازم ہیں یا پی ڈبلیو ڈی میں نوکر ہیں۔ اسی طرح کے اور بھی محکمے گنائے جائیں گے مگر تنخواہ پوچھی جائے تو پتہ چلے گا کہ ہزار سے اوپر ہے جس سے ان دنوں میں حلق بھی نہیں بھیگتا لیکن اس تنخواہ میں نہ جانے الہ دین کا کونسا چراغ ہے جس کے جن نے یہ ساری آسائشیں مہیا کر دی ہیں۔ آخر یہ ٹھاٹھ کیسے ہیں اور روپیہ آتا کہاں سے ہے۔ سب راز کی باتیں ہیں کسی کو معلوم کرنا ہی ہو تو کسی اہل غرض سیٹھ یا صنعتکار سے پوچھے وہ چور بازاریاں بتائے گا کہ رات کو صاحب کے ساتھ تاش کھیلتا ہوں اور ہزاروں ہار کر آتا ہوں۔ مجھ جیسے اور بھی ضرورت مند یہی دھندا کراتے ہیں' کچھ بیچارے صاحب لوگوں کے ہاں نقد اور تحفے بھیج دیتے ہیں۔ کہیں بیگم صاحبہ گھر پر دفتر کا کام چلاتی ہیں اور صاحب دفتروں میں حاجت روائی فرماتے ہیں اور بی بی جی گھر میں تحفوں کے بنڈل اور نوٹوں کی گڈیاں وصول کرتی ہیں۔ رشوت کی ہزار صورتیں ہیں' جب دلوں سے خدا کا خوف اٹھ جائے تو پھر آدمی طرح طرح سے روپیہ بٹورتا ہے۔ ایسے لوگ جو عہدے سے فائدہ اٹھا کر حکومت کے خزانے کو نقصان پہنچاتے ہیں وہ دوہرے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

واقعات و امثال

1۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جنہیں حضرت امام سفیان ثوریؒ نے پانچواں خلیفہ راشد لکھا ہے کی خدمت میں ایک دفعہ پھلوں کا تحفہ کسی نے بھیجا' جس میں ہر قسم کے پھل سیب' انار اور

انگور تھے جیسے گھر میں پھلوں کی دکان لگ گئی ہو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جن کے گھر میں کبھی پھلوں کے انبار ہوتے تھے مگر انہوں نے یہ تحفہ واپس کر دیا تو کسی نے کہا۔ یہ آپ کیا کرتے ہیں' یہ تحفہ تو آپ کے عزیزوں نے آپ کو بھیجا ہے۔ فرمایا۔ میں جانتا ہوں۔ انہیں کہا گیا' تحفہ واپس نہ کرنا چاہئے تھا۔ اللہ کے رسول تحفے واپس نہ فرماتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جواب دیا۔ ان کی خدمت میں تحفے اخلاص و محبت کی نیت سے آتے تھے اور میرے پاس یہ تحفہ اس لئے آیا کہ میں اپنے اقتدار سے کام لے کر جو انکے مال و اسباب کو بیت المال میں جمع کرایا ہے واپس کر دوں' حالانکہ یہ مال و اسباب انہوں نے غصب کیا ہے۔ یہ تحفہ نہیں رشوت ہے۔ کیا میں یہ رشوت قبول کر سکتا ہوں۔ مشورہ دینے والا خاموش ہو گیا۔

2۔ قیامت کے دن عجیب و غریب منظر ہو گا۔ کسی کی گردن پر کئی منزلہ عمارت ہو گی' کسی کی گردن میں موٹر ٹنگی ہوئی ہو گی' کسی کے کندھوں پر بہت بڑی فیکٹری ہو گی اور اسی طرح کے بہت سے بوجھ ہوں گے جن کے نیچے یہ لوگ دبے ہوئے ہوں گے۔ یہ کون لوگ ہوں گے' وہی جنہوں نے حرام مال اور رشوتیں لے کر یہ سب کچھ بنایا ہو گا۔ حضور ﷺ نے ابن نسیبہ کو قبیلہ بنی سلیم کے پاس بھیجا تاکہ زکوۃ اور صدقات کی وصولی کر کے آجائیں۔ چنانچہ ابن نسیبہ وہاں گئے اور اپنے فرائض کی ادائیگی کے بعد واپس آئے تو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا حساب حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور فرمایا یہ مال اور جنس زکوۃ اور صدقات ہیں اور یہ الگ جو کچھ رکھا ہے جن میں درہم و دینار بھی ہیں یہ وہ مال اور رقمیں ہیں جو قبیلہ بنو سلیم کے لوگوں نے اپنی خوشی سے مجھے دی ہیں یعنی میرے ہدیے اور تحفے ہیں۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا۔ اگر تم گھر میں بیٹھے رہتے تو یہ تحفے ملتے؟ انہوں نے کہا نہیں' فرمایا کہ سب بیت المال میں جمع کر دو' کیونکہ جو شخص خدمت کا معاوضہ پاتا ہے اس کے علاوہ وہ کسی سے تحفے وصول نہیں کر سکتا۔ یہ تحفے رشوت کے ہیں اور قیامت کے دن رشوت کے تحفے اور رشوت پر بنائے ہوئے سازو سامان و مال و اسباب اس کی گردن پر سوار ہوں گے۔ خوب سمجھ لو کہ رشوت دوزخ کے انگارے ہیں۔

3۔ اسی سلسلے کا دوسرا کردار ملاحظہ فرمائیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ تھے۔ انہیں حضور ﷺ نے خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا تھا کہ مملکت کا ٹیکس وغیرہ ان سے وصول کر کے

لائیں۔ خیبر کے یہودی قرآن کریم کے مطابق لینے اور دینے کے بڑے ماہر تھے۔ انہوں نے ابن رواحہ ؓ کے سامنے زیور کا ڈھیر لا کر رکھ دیا' جس کی قیمت اس زمانے میں بھی ہزاروں سے متجاوز تھی قیمتی زیورات ہی نہ تھے' نادر چیزیں بھی تھیں۔ یہ سب قیمتی زیورات ابن رواحہ ؓ کے سامنے رکھ کر درخواست کی گئی کہ انہیں ہم خوشی سے آپ کو دے رہے ہیں انہیں قبول فرمالیجئے۔ انہوں نے سوچا کہ یہ سب کچھ اس لئے پیش کیا جارہا ہے کہ میں خدا کی حدود میں کمی بیشی کروں۔ کیا میں ایسا کر سکتا ہوں اگر ایسا کروں تو میرا ایمان سلامت رہ سکتا ہے؟

ظاہر ہے ایسا کرنا غلط تھا۔ جب ہم کلمہ پڑھتے ہیں. تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم انکے حکم پر عمل کریں گے۔ قرآن کریم میں یہودیوں کی وعدہ خلافیوں کا بار بار ذکر آیا ہے۔ ان کے علماء نے رشوتیں لے کر خدا کی حدود اور قانون کو بدل دیا یعنی تھوڑے سے دنیا کے ناپائیدار فائدے کے بدلے میں دیانتداری و امانتداری کے وعدے کے بھی پابند نہ رہے کہ وہ خدا کی حدود اور حکومت کے قوانین اور ضابطوں میں رشوت لے کر ردوبدل نہیں کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ کے سامنے جب جڑاؤ زیورات کا ڈھیر لگا دیا گیا اور ان کی چمک دمک سے ان کے ایمان کا سودا کرنا چاہا کہ یہ رشوت کے طور پر قبول فرمالیں اور ہمارا ٹیکس آدھا کر دیں' اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے حکومت کا نقصان ہے تو اس کی تمہیں کیا پروا ہے۔ ابن رواحہ ؓ نیک اور خدا ترس صحابی رسول ؐ تھے۔ اللہ نے انہیں اس آزمائش سے نکالنا چاہا تو انہیں جرات دے دی کہ انہیں ڈانٹ کر ان کا مال ٹھکرا دیا۔ یہ آزمائش کی گھڑیاں سب پر آتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ ہر مسلمان کو توفیق بخشے کہ وہ خدا اور رسول ﷺ کے ساتھ ایمان لانے اور ان کے احکامات کو ماننے کے وعدہ پر مضبوط اور ثابت قدم رہے۔ خدا کی گرفت ہر کسی کے لئے ہے۔ امیر ہو یا غریب' حاکم ہو یا عام آدمی' عالم ہو یا جاہل ہر ایک کو خدا کے آگے جواب دہ ہونا ہے۔ حکم ہے کہ حرام کی کمائی اور رشوت کے پیسے پر نہ حج ہوتا ہے نہ قربانی' ان کی نہ دعا قبول ہوتی ہے اور نہ نیکیاں قبول کی جاتی ہیں' خدا ہمیں ایسی محرومیوں سے بچائے۔

سفارش

رشوت کی طرح دوسروں کے حقوق کی پامالی' حق تلفی اور ناجائز فیصلوں کو موجب یا حاکم اور

صاحب اختیار حضرات کی قوت فیصلہ پر اثر انداز ہونے والی شے ہمارے معاشرے میں سفارش ہے۔ سفارش کی معاشرتی بیماری کے علاوہ ایک دوسری روحانی قسم بھی ہے اور وہ بھی ہمارے عقیدہ توحید اور خدا پر بھروسے کے خلاف ہے بلکہ شرک ہے کہ ہم مختلف مشرکانہ ذریعوں سے خدا کے فیصلوں کو بدلنے کی سعی کرتے ہیں۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ربانی ہے کہ اللہ کے حضور اسکی اجازت کے بغیر کون سفارش کر سکتا ہے۔ سورہ کہف میں ایک فرمان خداوندی کا مطلب ہے کہ کفار نے یہ عقیدہ جمار کھا ہے کہ وہ ہمیں چھوڑ کر بندوں کو اپنا کارساز، حاجت روا اور مشکل کشا بناتے ہیں اور انہیں یہ خیال ہے کہ ہم (اللہ) ان کی باز پرس نہ کریں گے۔ ہم نے ایسے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ سورہ سبا میں تنبیہ کی گئی ہے کہ "اے پیغمبر ﷺ ان مشرکین سے کہو کہ تم جن کو شریک خدائی سمجھتے ہو، انہیں پکار کر دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ زمینوں اور آسمانوں کی سلطنت میں انہیں ذرہ برابر بھی اختیار نہیں" خدا کے ہاں بجز اس ایک ذات کے جسے وہ خود اجازت دے گا، کسی کی سفارش کی اجازت نہیں اور یہ اشارہ صرف رسالت ماب ﷺ کی طرف ہے۔ چنانچہ ایک حدیث شریف کا مطلب ہے کہ جب موذن اذان کہے تو سننے والا بھی اس کے کلمات دہرائے۔ اس کے بعد مجھ پر درود بھیجے۔ پھر میرے لئے وسیلہ طلب کرے جو جنت میں ایک اعلیٰ مقام ہے اور ضروری ہے کہ خدا کے بندوں میں سے ایک ہی بندے کو وہ مقام حاصل ہو گا اور مجھے امید ہے کہ میں ہی اس مقام پر فائز ہوں گا۔ پس جو میرے لئے وسیلے کا طالب ہو گا قیامت میں وہ میری شفاعت کا مستحق ہو گا۔

سورہ زمر میں ارشاد ہے "کیا ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کو اپنا سفارشی مقرر کیا ہے۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں کہو کہ جس حالت پر ان کا قابو نہ ہو گا اور عقل سے بھی عاری ہوں گے، تب بھی ان کو ہی کارساز سمجھتے رہو گے۔ کسی چیز پر قابو نہ ہونے اور عقل سے عاری ہونے سے مراد مرنے کے بعد کا وقت ہے۔

بعض لوگوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو بعض نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنالیا۔ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی اولاد ٹھہرایا۔ ان سے مدد مانگنی شروع کر دی۔ قرآن کریم اس قسم کے وسیلوں اور سفارشوں سے منع کرتا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ اپنے ایک مشہور فتویٰ میں لکھتے ہیں کہ یہ کسی طرح

جائز نہیں کہ فرشتے نبی یا کسی شیخ، ولی یا پیر سے، چاہے وہ زندہ ہو یا مردہ، یوں کہا جائے کہ میری مغفرت کیجئے یا کرائیے یا دشمن پر فتح دیجئے یا دلوائیے یا میرا کوئی رکا ہوا کام پورا کیجئے یا کرائیے اس قسم کی ہر التجاء اور ہر بات منع ہے جو کسی پیر فقیر یا اللہ کی مخلوق سے ایسی درخواست کرتا ہے، شرک کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو آنحضرت ﷺ نے وصیت فرمائی۔ جب تمہیں کوئی سوال کرنا ہو تو اللہ سے کرنا اور مدد مانگنا ہو تو اسی سے مانگنا۔ خداوند تعالیٰ کے معاملات اور اس کی طرف سے بندوں پر آنے والی مصیبتوں میں جس طرح دوسروں کی امداد اور سہارا طلب کرنا، بری بات اور اسلامی تعلیمات کی رو سے شرک ہے۔ اسی طرح اپنی روزہ مرہ کی زندگی کے معاملات میں بھی حاکموں تک رسائی کی راہیں تلاش کرنا، ان کے خیالات، فیصلوں اور سرکاری ضابطوں پر اثر انداز ہو کر اپنے حق میں فیصلے کرانا بھی ایک گونہ خدا پر بھروسے، توکل اور اس کے سہارے کو چھوڑنے کے مترادف ہے اور شرک ہے۔ یہی نہیں بلکہ سفارشوں کے ذریعہ دوسروں کی حق ماری، حق تلفی اور زیادتی ہے اور ناجائز ہے۔

سفارش کی اقسام

قرآن کریم کی آیت کی رو سے ایک سفارش حسنہ بھی ہوتی ہے یعنی برحق سفارش اور جائز بات اور حق کی سفارش ہے جسے جائز اور کار ثواب سمجھا جاتا ہے کہ کوئی شخص اپنی غربت، نارسائی اور عدم تعلقات کے باعث اپنا جائز حق نہیں حاصل کر سکتا تو سفارش کرانا جائز ہے اور ایسے معاملات میں سفارش کرنے والے کو اجر بھی ملے گا۔ دوسری سفارش سیسہ یعنی بری اور ناجائز سفارش ہے کہ جس سے کسی کو حق سے محروم کر کے دوسرے کو دلایا جائے۔ عدالتوں میں ناجائز مقدمات کا سفارش کے زور پر اپنے حق میں فیصلہ حاصل کیا جائے۔ سفارشوں کے ذریعہ صاحبان اختیار و اقتدار سے فائدے حاصل کئے جائیں۔ پرمٹ، لائسنس، ملازمتیں، عہدے، ترقیاں، تبادلے، سنگین جرائم میں معافیاں دلانا، خویش پروری اور اقرباپروری اور دوست نوازیاں حاصل کرنا۔ یہ سب غلط اور ناجائز قسم کی سفارشوں کا چلن پاکستان میں عام ہے اور معاشرتی بگاڑ اور فساد کا موجب ہیں۔ سرکاری حکام اپنے عہدوں کے زور پر اپنی وزارتوں کے رعب سے، اسمبلیوں کے

بھران اپنے اس اثر و رسوخ سے کام لے کر مجرموں کی پرورش کرتے ہیں انہیں تحفظ فراہم کرتے ہیں اور انہیں سنگین سے سنگین مقدمات سے چھڑا لیتے ہیں۔ بھرتیاں انہی کی مرضی پر ہوتی ہیں۔ ترقیاں اور تبادلے ان کی جنبش ابرو پر ہوتے ہیں اور منسوخ ہوتے ہیں۔ مراعات انہی کی سفارش پر ملتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ملک سے بدامنی، چوری، ڈکیتی، (رہزنی) سمگلنگ اور ناجائز کاروبار کی لعنت ختم نہیں ہوتی۔ سرکاری محکمے اپنی مرضی اور صوابدید پر اپنے انتظامی امور چلانے میں بے بس ہیں اور خود بھی ان لوگوں کی سفارشوں کی پذیرائی کر کے اپنے جرائم، غبن اور ہر قسم کی کرپشن میں آزاد ہو جاتے ہیں۔

ومن یشفع شفاعہ حسنہ یکن لہ نصیب منہا ومن یشفع شفاعہ سیئہ یکن لہ کفل منہا نیک بات اور جائز کام کی سفارش پر اجر ملے گا اور بری بات اور ناجائز کام کی سفارش کا بھی اسے حصہ ملے گا۔ گزشتہ اوراق میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کی قبیلہ مخزوم کی فاطمہ نامی لڑکی کے مقدمہ میں چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کے سلسلہ میں سفارش پر حضور ﷺ نے غضب ناک ہو کر فرمایا تھا کہ تم خداوند تعالیٰ کی حدود کے نفاذ میں رکاوٹ بنتے ہو، پہلی قومیں اسی لئے ہلاک ہوئی تھیں کہ انکے بڑے لوگ قانون کی گرفت سے خود کو بچاتے تھے اور چھوٹے اس کی زد میں آکر سزائیں پاتے تھے۔ آج ہمارے اردگرد وہی حالات ہیں، نہ جانے ہماری ہلاکت اور بربادی کب آنے والی ہے۔ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے۔ جس نے سفارش کی اور ہدیہ دیا اور وہ ہدیہ قبول کر لیا گیا تو سود کے شعبہ میں بڑے سود کا مرتکب ہوا اور پھر فرمایا کہ جو شخص اپنی یا کسی دوسرے کی سفارش کے ذریعہ کسی حکم اور حد کو روکتا ہے کہ نافذ نہ ہو سکے وہ قانون اسی کی مخالفت کرتا ہے۔ رشوت خوری اور سفارش برائیوں کی جڑیں ہیں جس کے پیٹ میں چنے کے برابر بھی حرام مال ہو گا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ خداوند کریم ہمیں ان دونوں لعنتوں سے بچائے۔ آمین یا الہ العالمین

درس حدیث

(رانا محمد اعجاز)

عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احب الا عمال الی اللہ تعالی الحب فی اللہ والبغض فی اللہ

ترجمہ! حضرت ابوذر غفاری ؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ بندوں کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور وہ بغض و عداوت ہے جو اللہ کے لئے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے جن بندوں نے اپنی محبت و چاہت اور اپنے ظاہری و باطنی تعلق کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے تحت کر دیا ہے ان کا حال یہ ہے کہ وہ جس سے محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے کرتے ہیں اور جس سے عداوت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے کرتے ہیں۔ جس کے پاس بیٹھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹھتے ہیں۔ جس سے ملتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے ملتے ہیں جو کچھ ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتے ہیں بیشک اللہ کے یہ بندے اس کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور محبت ان کو نصیب ہو۔

ایک جگہ رسول کریم ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری ؓ سے فرمایا کہ ایمان کی مضبوط ترین دستاویز اللہ کے لئے محبت و تعلق جوڑنا اور اللہ کے لئے کسی سے تعلق توڑنا ہے۔ یعنی کسی بندے کا کسی دوسرے بندے سے اللہ کے لئے اور اللہ کے تعلق سے محبت کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ادا کرنا ہے۔

ایک دفعہ رسول کریم ﷺ نے صحابہ کو واقعہ سنایا کہ ایک شخص اپنے ایک بھائی سے جو دوسری بستی میں رہتا تھا۔ ملاقات کے لئے چلا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ گذر پر ایک فرشتہ کو منتظر بنا کر بٹھا دیا۔ جب وہ اس مقام سے گذرا تو فرشتہ نے اس سے پوچھا تمہارا کہاں کا ارادہ ہے۔ اس نے

کہا کہ میں اس بستی میں رہنے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے کہا اس پر تمہارا کوئی احسان ہے اور کوئی حق نعمت ہے جس کو تم پورا اور پختہ کرنے کے لئے جا رہے ہو اس بندے نے کہا۔ نہیں میرے جانے کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مجھے اس بھائی سے محبت ہے۔ یعنی اللہ کی محبت کے تقاضے اور تعلق سے میں اس کی ملاقات کے لئے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس یہ بتانے کے لئے بھیجا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرتا ہے جیسا کہ تم اللہ کے بندے سے محبت کرتے ہو۔

اس واقعہ کی اصل روح اور اس کے بیان سے آنحضرت ﷺ کا خاص مقصد اس حقیقت کو واضح کرنا تھا کہ اللہ کے کسی بندے کا کسی بھائی سے اللہ کے لئے محبت کرنا اور اسی محبت کے تقاضے سے اس سے ملاقات کے لئے جانا ایسا عمل ہے جو اس محبت کرنے والے بندے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتا ہے اور کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتہ کے ذریعہ اس کو اپنی محبت کا پیغام پہنچا دیتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس دنیا میں خونی رشتہ اور قرابت کی وجہ سے محبت و تعلق کا ہونا ایک ایسی عمومی اور فطری بات ہے جو انسانوں کے علاوہ تمام جانوروں بلکہ درندوں میں بھی موجود ہے اس طرح اگر کوئی شخص کسی کی مالی امداد کرتا ہے اس کو ہدیے اور تحائف دیتا ہے تو اس میں اس محسن کی محبت پیدا ہو جانا بھی ایک ایسی فطری بات ہے جو کافروں، مشرکوں اور فاسقوں میں بھی پائی جاتی ہے لیکن کسی رشتہ اور قرابت کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کے تعلق سے کسی سے محبت کرنا ایک ایسی ایمانی صفت ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے۔ اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت کرنے والے بندگان خدا پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص الخاص کرم یہ ہو گا کہ قیامت کے دن جب کہ عام انسانوں پر خوف اور غم چھایا ہو گا ان کے دلوں پر خوف اور غم کا کوئی اثر نہیں ہو گا اور یہ بالکل مطمئن اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے شاداں و فرحاں ہونگے۔

کفار سے رواداری

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

اللہ تعالیٰ دین کے معاملے میں انسانوں پر کسی بھی قسم کا دباؤ نہیں رکھتے اس لئے اپنے اپنے دور میں تمام انبیاء نے بڑی دلسوزی اور خیر خواہی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اپنی اپنی قوموں کے سامنے اللہ کی الوہیت کے دلائل پیش کئے اور انہیں آخرت کی زندگی کے بارے میں آگاہ کیا تاکہ وہ برضا و رغبت ایمان لا کر فلاح دارین حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کو دعوت دین کا طریقہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمه والموعظه الحسنه وجادلهم بالتی هی احسن ان ربک هواعلم بمن ضل عن سبیله وهواعلم بالمہتدین (النحل ۔125)

ترجمہ! آپ ﷺ لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت ار پیاری پیاری نصیحت سے بلائیے اور ان کے ساتھ نہایت ہی اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔ جو شخص اس کے راستہ سے بھٹک گیا آپ کا رب اسے بھی خوب جانتا ہے اور جو ہدایت پانے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے"

قرآن کریم میں یہ ہدایات بھی دی گئی ہیں کہ آپ ﷺ کا کام پیغام حق پہنچا دینا ہے اور ہدایت دینا اللہ کا کام ہے وہ جسے راہ راست پر لانا چاہتے ہیں اس کا سینہ اسلام کی حقانیت کے لئے کھول دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بھی تلقین فرمائی کہ وہ بھی مخالفین کے ساتھ خوش خلقی اور شیریں کلامی سے پیش آیا کریں ۔ اہل اسلام کو ایمان کی دولت نصیب ہو جانے پر اللہ کا بہت شکر گذار ہونا چاہئے لیکن ان کے لئے یہ ہرگز روا نہیں ہے کہ ایمان نہ لانے والوں کو برا بھلا کہیں اور ان کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرتے پھریں۔ گذشتہ صفحات میں فتح مکہ کے جو واقعات تحریر کئے گئے ہیں ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جو کفار دین اسلام کی اشاعت کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کریں اور مسلمانوں کی سرگرمیوں اور پیش رفت میں مزاحم ہوں ان کی قوت کو توڑنا تو ضروری ہے لیکن جب وہ لوگ سرنگوں ہو جائیں تو پھر عقائد کی بنیاد پر ان کو قتل کرنے یا ان پر کسی قسم کا جبر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ جنگ کے دوران بھی صرف اتنی ہی خونریزی کرنے کا حکم ہے جس سے باطل کی

حمایت میں ہتھیار اٹھانے والوں کی قوت ٹوٹ جائے۔ جنگی کاروائی کے دوران عورتوں، بچوں، بوڑھوں، زخمیوں، مریضوں اور راہبوں پر ہاتھ اٹھانے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خبردار کیا ہے کہ شیطان نسل انسانی کا ازلی دشمن ہے اور عداوت کی وجہ سے اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ انسانوں کے درمیان کسی نہ کسی طریقے سے جھگڑے پیدا کرکے انہیں لڑواتا اور خونریزی کرواتا رہے۔ اس لئے تم اللہ کے دین کی تبلیغ نہایت مہذب اور احسن طریقے سے کرنا اور اختلاف عقائد کی بنیاد پر تفرقے اور جھگڑے نہ ڈالنا۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایات غور سے ملاحظہ فرمایئے۔

وقل لعبادی یقولوا التی ھی احسن ان الشیطن ینزغ بینھم ان الشیطن کان للانسان عدوا مبینا○ ربکم اعلم بکم ان یشا یرحمکم او ان یشاء یعذبکم وما ارسلنک علیھم وکیلا○ (بنی اسرائیل۔ 53 تا 54)

ترجمہ: "اور آپ ﷺ میرے بھی بندوں کو کہہ دیجئے کہ ایسی باتیں کہا کریں جو بہت ہی پسندیدہ ہوں۔ کیونکہ شیطان بری باتوں سے ان میں فساد ڈلواتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان بنی نوع انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمہارا رب تم سے خوب واقف ہے۔ اگر چاہے تو تم پر رحم فرمائے یا اگر چاہے تو تمہیں عذاب دے اور ہم نے آپ کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا"

معلوم ہوا کہ ایسی بات زبان سے نکالنا جس سے کوئی جھگڑا کھڑا ہو جائے شیطان کی مدد کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ کتنا پارسا یا گنہگار ہے۔ آخرکار ہر ایک کو اس کے پاس لوٹنا ہے اور وہ جیسا چاہے گا ہر ایک کے ساتھ سلوک کریگا۔ اس لئے اہل ایمان کو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ غیر مسلموں سے غیر انسانی برتاؤ کریں یا ان کے مذہبی عقائد کا تمسخر اڑا کر ان کا دل دکھائیں۔ جو لوگ جانوروں، پتھر کے بتوں یا دیوی دیوتاؤں کو پوجتے ہیں ان کے دلوں میں اپنے باطل معبودوں کے لئے ویسا ہی احترام ہوتا ہے جیسا کہ مومنین کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے۔ انہیں اپنے آباؤ اجداد کا دین ہی سچا نظر آتا ہے اور انہیں اپنے خود ساختہ عقائد اپنی جانوں سے بھی زیادہ پیارے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باطل پرست قومیں اللہ کے عذاب سے یا مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گئیں لیکن انہوں نے اپنے بے بنیاد عقائد سے دستبردار ہونا گوارا نہ کیا۔ مشرکین اپنے بتوں کی ہتک یا ان کے خلاف ناپسندیدہ کلمات ہرگز برداشت نہیں کرتے۔ انکے نزدیک ان کے معبود نہایت ہی مقدس اور بزرگ ہستیوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ اپنے اپنے دینی عقائد اور بزرگ ہستیوں سے محبت رکھنا ایک فطری بات ہے اس لئے

اللہ تعالیٰ نے کفار اور مشرکین کے جذبات اور احساسات کو مدنظر رکھنے کے لئے قرآن کریم میں جو تلقین فرمائی ہے وہ قابل غور اور مبلغین اسلام کے لئے مشعل راہ ہے

ولو شاء اللہ ما اشرکوا وما جعلنک علیھم حفیظا وما انت علیھم بوکیل ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم کذلک زینا لکل امۃ عملھم ثم الی ربھم مرجعھم فینبھم بما کانوا یعملون (الانعام۔ 107۔108)

ترجمہ! "اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان پر نگہبان مقرر نہیں کیا اور نہ ہی آپ ان کے داروغہ ہیں۔ اے اہل ایمان! جن ہستیوں کو یہ مشرک لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں انکو برا بھلا نہ کہنا۔ کہیں یہ بھی اللہ کو بے سمجھے بے ادبی سے برا نہ کہہ بیٹھیں۔ اسی طرح ہم نے ہر امت کے اعمال انکی نظروں میں خوشنما بنا دیئے ہیں۔ آخر کار تو ان کو اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہی ہے تب وہ انکو بتائے گا کہ وہ کیا کیا کیا کرتے تھے"

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس حقیقت سے آگاہ فرمادیا کہ آپ کی انتہائی خیر خواہی اور مثالی جدوجہد کے باوجود بھی سب لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ کئی لوگوں کے دل ان کی مسلسل بداعمالیوں اور شرارتوں کے سبب مردہ ہو چکے ہیں۔ آپ کی نصیحتوں اور قرآن کی آیات کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ان کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو چکے ہیں۔ ان کے دلوں کے امراض لا علاج حد تک بڑھ چکے تھے اور اللہ نے ان پر مہریں لگا دی ہیں۔ اس لئے اگر یہ لوگ عقیدہ توحید کو تسلیم نہیں کرتے اور اپنے بتوں کی پرستش پر ہی اڑے رہنے پر بضد ہیں تو پھر ان الفاظ کے ساتھ انہیں انکے حال پر چھوڑ دیجئے۔

قل اللہ اعبد مخلصا لہ دینی ۞ فاعبدوا ما شئتم من دونہ (الزمر 14 تا 15)

ترجمہ! "آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے دین کو خالص کر کے صرف اللہ کی بندگی کرتا ہوں۔ اے گروہ مشرکین تم اس کے سوا جس کی چاہو پرستش کرو"

تبلیغ دین اور اصلاح کا کام وسعت قلب، تحمل، بردباری اور انتہائی قوت برداشت کا متقاضی ہے۔ اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کے دلوں میں جب تک اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لئے بے پناہ احترام و محبت، شفقت و رحمت اور انتہائی خیر خواہی کے جذبات موجزن نہ ہوں تبلیغ دین کا عظیم کام بار آور نہیں ہوتا۔ یہاں حضور رحمت اللعالمین ﷺ کے اسوہ حسنہ سے ایک واقعہ بیان کر دینا دلوں کی تقویت کا باعث ہو گا۔ ایک دن آپ اسلام کی دعوت دینے کے لئے طائف تشریف لے

گئے۔ وہاں کے حق ناشناس لوگوں نے آپ ﷺ کو اس قدر مارا کہ سر مبارک پھٹ گیا اور اتنا خون بہا کہ جوتوں کی ایڑیوں میں جمع ہو گیا اور آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد آپ کو ہوش آیا تو جبرائیل علیہ السلام نے آکر سلام کیا اور آپ کی تشفی فرمائی اور ایک دوسرے فرشتے کو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ وہ فرشتہ بھی سلام بجا لایا اور اس نے عرض کیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے کہ آپ ﷺ جو بھی حکم دیں اس کی فوراً تعمیل کروں۔ میں پہاڑوں پر تعینات ہوں۔ اگر آپ حکم فرمائیں تو آن واحد میں طائف کے پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں اور جتنی بستیاں بیچ میں ہیں سب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان میں دب کر فنا ہو جائیں۔ صرف آپؐ کے حکم کی دیر ہے۔ لیکن اس مقدس ہستی جس کے دل میں اللہ نے انسانوں کے لئے بے پناہ محبت ڈال کر اسے سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کو میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ میں ان لوگوں کی تباہی ہرگز نہیں چاہتا۔ بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ یہ سب مسلمان ہو جائیں اور ان کی اولاد اور نسلوں میں وہ لوگ پیدا ہوں جو چار دانگ عالم میں تیرا پیغام پہنچا دیں اور دین اسلام کے نور سے زمین کے چپہ چپہ کو جگمگا دیں"۔ یہ ہے حضور صاحب خلق عظیم ﷺ کی کمال قوت برداشت کا بے مثال نمونہ۔ آپ ﷺ اپنے مخالفین کی ہر سختی، درشتی اور ایذا رسانی انتہائی حلم کے ساتھ سہتے رہے لیکن انسانیت کے محسن اعظم ﷺ نے انسانوں کے ساتھ اپنی محبت اور ہمدردی میں کبھی کمی نہ آنے دی اور آخر دم تک انہیں اللہ کی عبادت، مغفرت اور جنت کی طرف دعوت دیتے رہے۔ صرف اتنا ہی نہ تھا کہ حضور ﷺ نے گالی کے بدلے کبھی گالی نہ دی یا پتھر کے بدلے کبھی پتھر نہ مارا بلکہ کمال یہ ہے کہ اپنے مخالفوں اور دشمنوں کے خلاف کبھی دل میں بھی کوئی برا خیال نہ آنے دیا۔ مخلوق کے ساتھ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ جو انسان سب سے زیادہ اللہ کے قریب ہو گا اسے مخلوق خدا کے ساتھ محبت بھی سب سے زیادہ ہو گی۔ یہ مرتبہ حضور رحمت اللعالمین ﷺ کو حاصل ہے۔ آپؐ کے بعد آپؐ کے نقش قدم پر چلنے والے صالحین بھی اللہ کے قرب کی نسبت سے اللہ کی مخلوق کی محبت اور خدمت کی روش پر ہی چلتے رہے ہیں۔ کیونکہ دل محبت ہی سے فتح کیے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج زمین کا کونہ کونہ مسلمانوں سے بھرا پڑا ہے۔ بنیادی طور پر ہر مسلمان دین اسلام کا مبلغ ہے اور اس کا فرض ہے کہ خود اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچائے اور دوسرے انسانوں کو بھی دعوت دین دیکر اس سے بچانے کی حتی المقدور سعی کرتا رہے۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ پہلے

اپنے آقاو سردار نبی مکرم خلق مجسم ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے رحم و کرم، عفو و درگذر اور محبت و مودت جیسی عادات اپنے اندر پیدا کرے۔ درد دل اور عالمگیر محبت کا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں سے نہیں ملتا۔ البتہ اہل محبت یعنی اللہ والے فقیروں کے سینوں سے مل جاتا ہے۔ تبلیغ دین کے سلسلے میں یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے نتائج ہماری مرضی کے مطابق ہی نکلیں۔ یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہئے کہ تمام انسانوں کے دل اللہ کی مٹھی میں ہیں وہ جس کسی کو اور جب چاہے ہدایت نصیب فرما سکتا ہے۔ ہر خیر کے لئے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ اگر کسی پر اس کے برے اعمال کی وجہ سے بد بختی غالب آچکی ہو تو اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ ایسے لوگوں کے ساتھ بھی نفرت کا برتاؤ نہیں کرنا چاہئے بلکہ ان پر تو رحم آنا چاہئے کہ ایک دن یہ آگ میں ڈالے جائیں گے۔ ان ہدایات کی روشنی میں کفار و مشرکین کے ساتھ بھی رواداری کا برتاؤ کرنا چاہئے اور احترام انسانیت کے جذبہ کے تحت مل جل کر رہنا چاہئے اور انسانوں کی بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس انداز فکر اور طرز عمل کے بغیر عالمی امن اور وحدت آدمیت کا حسین خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ حضور رحمتہ اللعلمین ﷺ کے سچے وارث اور علمائے حق جنہیں ہم اولیاء اللہ کے پیارے نام سے یاد کرے ہیں یہی تعلیم دیتے ہیں۔ وہ گناہوں سے تو نفرت کرتے ہیں لیکن گنہگاروں سے دلی محبت کرتے اور ان کی اصلاح کے لئے دلسوزی کے ساتھ کوشاں رہتے ہیں۔ وہ دین کی دعوت قرآنی احکام کے مطابق دانش و حکمت، دلیل و برہان اور رحمت و رافت کے ساتھ دیتے ہیں اور کبھی بھی دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی دل آزاری کے مرتکب نہیں ہوتے۔ حضرت بابا فرید الدین شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ان کے ایک ہنر مند معتقد نے آپ کی خدمت میں ایک خوبصورت قینچی نذر کرنا چاہی تو حضرت شیخؒ نے بڑی خوبصورت بات ارشاد فرمائی کہ "درویش اور فقیر کے پاس اس قینچی کا کیا کام؟ یہ خود بھی حصوں میں بٹی ہوئی ہے اور دوسری چیزوں کو بھی قطع کرتی اور ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔ فقیر کو تو وہ سوئی پسند ہے جو صرف الف کی طرح سیدھی اور وحدت کی علامت ہے۔ جو کٹے ہوئے ٹکڑوں کو جوڑ کر انہیں آپس میں ملا دیتی ہے۔ دوسروں کی عریانی اور برہنگی کو ڈھانپنے کے لئے کام کرتی ہے اور خود ننگی رہتی ہے۔ ہم فقیروں کا کام تو انسانی رشتوں اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑتا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ "اپنے اندر اللہ جیسی عادات و اخلاق پید کرو"

اللہ کا قرب اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنی ساری مخلوق سے پیار کرتا ہے اور کافر و مومن اور رند و زاہد دونوں کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ اسی طرح مومن کو بھی عالمگیر محبت کا اصول اپنا کر اپنے دل و دماغ اور روح کو محبت کے رنگ میں رنگ لینا چاہئے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے اپنی تصنیف "طریقت توحیدیہ" میں محبت کے عنوان کے تحت تحریر فرمایا۔

"اگر تم ولی اللہ بننا چاہتے ہو اور اگر تمہاری خواہش ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ محبت کرے تو ضروری ہے کہ تم اس کی مخلوق سے محبت کرو۔ مجنوں تو لیلیٰ کے کتے سے بھی محبت کرتا تھا تم کیسے محب ہو کہ اپنے محبوب کی مخلوق سے بھی محبت نہیں کرتے"

علامہ اقبالؒ بھی قرآن کی ترجمانی کرتے ہوئے یہی نصیحت کرتے ہیں کہ کافر اور مومن دونوں خدا کی مخلوق ہیں اس لئے کسی کے خلاف بھی برا کلمہ زبان پر نہیں لانا چاہئے۔ انسانوں کا احترام کرنا ہی کمال آدمیت ہے اور بندہ مومن اللہ کی طرح کافر و مومن دونوں پر شفقت کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

حرف بدرا برلب آوردن خطاست
کافر و مومن ہمہ خلق خداست
آدمیت؟ احترام آدمی
باخبر شو از مقام آدمی
بندہ عشق از خدا گیرد طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق

قرآن کریم میں بھی فرمایا گیا ہے کہ کیا آپ لوگوں کو ناپسند کریں گے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔

ارشاد ہوا ہے۔ ولوشاء ربک لامن من فی الارض کلھم جمیعا افانت تکفرہ الناس حتی یکونوا مومنین (یونس۔ 99)

ترجمہ! "اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کے سب ایکدم ایمان لے آتے۔ تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے یا انہیں برا سمجھیں گے یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں"

خواجہؒ کے خطوط

(ترتیب و تدوین۔ خالد مسعود)

1۔ پیر یا قصائی

(بنام محمد عالمگیر صاحب 1963-3-25)

"موڈ ہو تو خط بے شک لمبا لکھ دیا کرو۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ نہ ڈرنے کی ضرورت ہے۔ کیا آپ نے اپنے پیر کو قصائی سمجھا ہے۔ مزہ لینا ہے تو اکثر خط لکھتے رہا کرو اور اہل حلقہ سے ملتے رہا کرو"

2۔ پیر اور بیگم

(بنام محمد مرتضٰی صاحب 67-9-8)

"جلیل صاحب سے کہنا کہ پہلے شادی کی دعاؤں کے لئے کم از کم ماہوار ایک خط تو آ جاتا تھا۔ اب شادی کیا ہوئی مجھے تو وہ بھول ہی گئے کیا ان کی بیگم مجھ سے زیادہ اچھی ہے؟"

3۔ حلقہ کو بڑھائیں

(بنام محمد مرتضٰی صاحب 70-5-21)

"آپ ماشاء اللہ اب خاصے اچھے بزرگ ہو گئے ہیں۔ اب آپ پر فرض ہے کہ حلقہ کو بڑھائیں اور نئے نئے آدمیوں کو ٹیکا لگا کر حلقہ میں شامل کر لیں۔ اللہ تعالٰی کی راہ کے متلاشی بہت ہیں کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔ اللہ آپ کو جزا دے گا۔ اشرف، راجہ علی اکبر اور رشید صاحب نے کافی نئے آدمی حلقہ میں شامل کئے ہیں آپ بھی اپنی کارکردگی دکھائیں"

4۔ اب پوشیدہ نہ رہیں

(بنام محمد مرتضٰی صاحب 70-8-23)

"میری طرف سے آپ کو اجازت ہے کہ جو شخص بھی آپ کے پاس آئے اس کو زیادہ سے زیادہ فیض دیں۔ اس کے لئے دعا کریں اور ہر آدمی کا کام کریں۔ میں چاہتا ہوں کہ اب آپ پوشیدہ نہ رہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ مشہور ہو جائیں۔ یہ حلقہ کی ترقی کے لئے نہایت ضروری ہے"

6- اپنے رب کی نعمت بیان کیجئے

(بنام محمد مرتضٰی صاحب 70-9-5)

"مرتضٰی صاحب! اب تک میرا اصول یہ رہا ہے کہ اہل حلقہ اپنی بزرگی کو چھپائیں ظاہر نہ کریں۔ لیکن اب حالات زمانہ اور حلقہ کی سست رفتاری کو دیکھ کر یہ اصول بدل دیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے واما بنعمت ربک فحدث اور اللہ تم کو جو نعمت دے اس کو ظاہر کر دیا کرو۔ آپ کو اللہ تعالٰی نے کافی طاقت اور بزرگی سے نوازا ہے جو لوگ دنیا کا کام لے کر آئیں بے دھڑک کرو مگر ناجائز کام نہ کرنا۔ تمہاری شہرت سے حلقہ کی بھی شہرت ہوگی۔ اب ہم پردے میں نہیں رہنا چاہتے۔ ظاہر ہونا چاہتے ہیں۔ جو اس کے اہل ہیں ان کو بھی میں نے لکھ دیا ہے۔ آپ بھی کوشش کر کے اچھے اچھے آدمی حلقہ میں شامل کریں۔ اللہ آپ کو اجر دے گا اور آپ کی مدد کریگا"

6- مٹھائی کی بات

(بنام محمد صدیق ڈار 62-1-17)

"مٹھائی کی بات یہ ہے کہ آپ کو حلقہ توحیدیہ کے دستور کا پتہ ہے یا نہیں۔ دستور تو یہ ہے کہ جب کسی کو ترقی ملتی ہے تو ایک ماہ کی ترقی کی رقم پوری وہ مجھ کو دیتا ہے۔ اس میں سے مٹھائی بھی کھلا دی جاتی ہے۔ روحانی سروس میں تو آپ پہلے ہی کمشنڈ آفیسر ہیں آپ تیسری فیت مانگتے ہیں یعنی الٹا تنزل چاہتے ہیں۔ یہ سن کر خوشی ہوئی کہ حلقہ والے محنت اور ذوق و شوق سے کام کر رہے ہیں اور نئے لوگ بھی آ رہے ہیں یہ سب کریڈٹ آپ کو جاتا ہے اللہ تعالٰی اجر عطا فرمائے۔ آمین

اطلاع

- حلقہ نوشہرہ ورکاں کے بھائی معین الدین صاحب کی اہلیہ اور حلقہ جلال پور پیروالہ کے بھائی غلام سرور صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ سب بھائیوں سے درخواست ہے کہ وہ مرحومین کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔

مجالس فقیر

حدیث کی حقیقت اور خواب کی تعبیر

(آفتاب احمد خاںؒ)

"وقت گذرتے دیر نہیں لگتی۔ اس طرح میں قبلہ انصاری صاحبؒ سے تقریباً روزانہ شام کو ملاقات کے لئے حاضر ہوتا رہا۔ ہر ملاقات سے دل اتنا متاثر ہوتا گیا کہ میں بیان نہیں کر سکتا اور شوق دید اسی حوالے سے بڑھتا ہی گیا۔ آخر ایک ہفتہ گذر گیا اور میں نے دوسرے حلقہ ذکر میں شمولیت کی۔ کسی زمانے میں ایک حدیث مبارکہ نظر سے گذری تھی۔ حضرت ابو سعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی جماعت اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے بیٹھتی ہے تو اللہ کے فرشتے اسے گھیر لیتے ہیں اور رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور سکینت ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ فرشتوں سے کرتے ہیں (رواہ مسلم) میں اس حدیث شریف کی اصل حقیقت سے بے بہرہ تھا لیکن جب محفل ذکر شروع ہوئی تو سارے پردے چھٹ گئے اور حضور پاک ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ مکمل اطمینان اور روحانی استغراق کی کیفیت طاری ہو گئی اور اللہ بہت قریب تھا۔ شہرگ سے بھی قریب۔ سبحان اللہ۔ ذکر پاک اس طرح اختتام پذیر ہوا۔ میں قبلہ حضرتؒ کی داہنی جانب قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے میری طرف متوجہ ہو فرمایا

"کیوں حلقہ ذکر کیسا رہا؟" میں نے عرض کیا کہ جناب کیا عرض کروں میرے پاس اس کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اسی لئے سرخ ہو رہے ہو اور مزید یہ فرمایا کہ یہ کسی کا کمال نہیں ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر اور رسول اللہ ﷺ کے درود پاک کا کیا دھرا ہے۔ بس جو توحید اور رسالت پر قائم ہو گیا وہ دونوں جہانوں میں کامیاب ہو گیا۔ بس دلجمعی سے اس کام میں لگے رہو بہت کچھ حاصل ہو گا۔ آپ نے خاص طور پر پاس انفاس کرنے کی تاکید فرمائی اور اسکا طریقہ بھی کر کے دکھایا۔ پھر آپ نے مجھے "طریقت توحیدیہ" کی ایک کاپی عنایت کی اور فرمایا کہ اس میں سب کچھ ہے اسے غور سے پڑھو۔ 1947ء میں ستمبر کے مہینے میں جب میں اپنے خاندان کے ساتھ کلانور سے ہجرت کر کے پاکستان آیا تو ایک رات مکان کی چھت پر میں اکیلا ہی لیٹا ہوا تھا۔ میں چاند کی چاندنی

میں ابھی اپنے آپ کو بہت ہی غمگین اور اداس محسوس کر رہا تھا۔ میں گہری سوچ میں تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں نے کیا کھویا اور یہاں پاکستان میں کیا پایا۔ ہندوستان کی مساجد' اولیاء کرام کے مزارات اور دیگر عالی شان عمارات میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہی تھیں۔ اسی اداسی میں میں نے درود پاک کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد میں ہوش میں نہ تھا لیکن پھر بھی بلند آواز سے درود پاک پڑھتا رہا۔ میرے والد صاحب نے میری آواز سنی تو وہ چھت پر آ گئے۔ انہوں نے مجھے جھنجوڑا تو میں اس حالت سے بیدار ہوا۔ والد صاحب فرمانے لگے کیا بات ہے تم رو کیوں رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں۔ میں تو درود پاک پڑھ رہا تھا کہ ہوش نہیں رہا۔ پھر کچھ دیر بعد مجھے نیند نے آ گھیرا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک پرانی کھنڈر عمارت کی ٹوٹ پھوٹی سیڑھیاں ہیں۔ میرا جی چاہا کہ اپنے غم کی بھڑاس آنسوؤں سے نکال لوں اور پھر میں سیڑھیوں پر اوندھے منہ لیٹ گیا اور جی بھر کر رویا۔ روتے روتے مجھے سیڑھیوں کی خاک سانس کے ساتھ اپنے حلق میں جاتی محسوس ہوئی۔ پھر مجھے سیڑھیوں کے اوپر کسی بزرگ کی موجودگی محسوس ہوئی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو واقعی تقریباً 75 سالہ ایک بزرگ بڑی تمکنت کے ساتھ وہاں تشریف فرما تھے۔ ان کی آنکھیں سرخ اور بارعب تھیں جیسے ان سے شعائیں نکل رہی ہوں اور وہ خاموشی سے میری طرف دیکھ رہے تھے مگر میرے کان ان کے الفاظ یوں سن رہے تھے " یہ تم ٹھیک کہتے ہو کہ مسلمانوں کو جو ہندوستان چھوڑنا پڑا ہے۔ یہ بہت بڑا نقصان ہوا ہے مگر اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا اب ہندوستان کا ایک خطہ مکمل طور پر ہمارا اپنا ہے۔ اب ہمیں یہاں ایک نئی زندگی کا آغاز حق اور صداقت کے اصولوں پر کرنا ہے۔ رونے کی کوئی بات نہیں ہمیں صبر و ہمت سے اس کام میں لگ جانا چاہیئے" آج حلقہ ذکر کے بعد جب میں نے قبلہ حضرت انصاری صاحبؒ کو دیکھا تو فوراً اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ تو وہی کھنڈر کی عمارت کی سیڑھیوں والے بزرگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ 15 برس بعد میرے خواب کی تعبیر حقیقت بن کر میرے سامنے آ گئی۔ میں نے قبلہ حضرتؒ سے اس کا ذکر کیا تو فرمانے لگے کہ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ ہوا تھا۔

سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم و تنظیم

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

محبان عزیز میں نے بیعت کا سلسلہ 1950ء سے شروع کیا اور بخدا بالکل مجبوری کے عالم میں شروع کیا۔ ورنہ میں پیر بن کر منظر عام پر آنے کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ تقسیم ہند کے بعد قیام کراچی کے دوران جو لوگ میری صحبت میں رہتے تھے ان میں سے اکثر حضرات میں وہ روحانی آثار پیدا ہو گئے جو ایک سالک میں باقاعدہ بیعت ہونے کے بعد پیدا ہوا کرتے ہیں۔ جب ان لوگوں میں سوز و جذب پیدا ہوا اور سرور و نشہ رہنے لگا تو خواہ مخواہ طلب اور زیادہ ہوئی اس پر انہوں نے اصرار شروع کیا کہ ان کو باقاعدہ بیعت کر لیا جائے تاکہ وہ منازل سلوک طے کر کے اپنی مراد کو پہنچیں۔ یہ کل پانچ یا سات آدمی تھے لیکن سبھی میرے نہایت عزیز اور بے تکلف دوست تھے۔ کئی ماہ تک میں انکار اور ان کے روز افزوں اصرار کا مقابلہ سختی سے کرتا رہا لیکن آخر کار ہتھیار ڈالنے ہی پڑے۔

1954ء تک ارکان حلقہ کی تعداد چالیس پچاس سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن جنوری 1955ء میں جب میں مستقل طور پر بنوں آ گیا تو چند ہی مہینوں میں یہ تعداد بہت زیادہ ہو گئی۔ 1956ء کے آخر میں ضرورت محسوس ہوئی کہ حلقے کی باقاعدہ تنظیم کی جائے۔ چنانچہ یہ قاعدہ بنایا گیا کہ جس مقام پر کم از کم 5 آدمی سلسلہ میں شامل ہو جائیں وہیں ایک حلقہ قائم کر دیا جائے اور انہی پانچوں میں سے ایک کو ان کا انچارج مقرر کر دیا جائے۔ پشاور میں چونکہ ارکان حلقہ کی تعداد بہت تھی اس لئے تجرتہً پہلا حلقہ وہیں قائم کیا گیا اور ملک بخشیش الٰہی مرحوم کو حلقہ کا انچارج مقرر کر دیا گیا۔ بعد میں دوسرے شہروں میں بھی اسی طرح حلقے قائم ہوتے چلے گئے۔ تنظیم کے مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کرتے ہوئے کئی باتیں منکشف ہوئیں اور میں نے اس کو سلسلہ کے دستور میں شامل کر دیا۔ سب سے پہلی بات یہ خیال میں آئی کہ دوسرے سلسلوں کے مشائخ جو بہت سے خلیفہ بنا دیتے ہیں یہ سب کچھ اچھی اور مفید بات نہیں ہے۔ اس سے یہ تو ضرور ہوتا ہے کہ مریدوں کی تعداد بہت جلد بڑھ جاتی ہے لیکن ساتھ ہی یہ نقصان بھی ہوتا ہے کہ ہر ایک خلیفہ کا مزاج، عادت، علم اور اخلاق چونکہ دوسرے سے کسی نہ کسی قدر مختلف ہوتا ہے اس لئے ان کے حلقوں کا رنگ اور طریقہ کار

بھی ایک دوسرے سے مختلف ہو جاتا ہے۔ اس طرح شیخ حلقہ کی جماعت چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اور ان ٹکڑیوں میں وہ ارتباط، ہم رنگی و ہم آہنگی باقی نہیں رہتی جو ایک جماعت کی مضبوط تنظیم اور طاقت کے لئے پہلی اور ضروری شرط ہے۔ اس لئے میں نے اس طریقے کے بجائے سلسلہ توحیدیہ کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب تک بھی یہ سلسلہ قائم رہے اس کے شیخ کا صرف ایک ہی خلیفہ ہوا کرے گا اور وہی اس کا جانشین بھی ہو گا۔ ویسے بھی دیکھا جائے تو ابتدائے اسلام میں یہی طریقہ رائج تھا جو خلفائے راشدین تک قائم رہا۔ اس طریقہ میں ایک دقت بھی پیش آتی ہے اور وہ یہ کہ جب اہل سلسلہ کی تعداد بہت زیادہ ہو جاتی ہے تو شیخ سلسلہ بنفسہ ان سب کی تربیت کماحقہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے میں نے یہ طریقہ کار بنایا کہ جہاں کہیں اور جیسے جیسے ضرورت ہو کچھ احباب کو جو قابل اور اہل ہوں مجاز مقرر کر دیا جائے جو اپنے پیر بھائیوں کی تعلیم و تربیت کا فرض ادا کریں۔ چنانچہ اب یہی طریقہ سارے پاکستان کے توحیدی حلقوں میں رائج ہے۔

تنظیم کے لئے دوسری ضروری شرط یہ ہے کہ جماعت کی تمام چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں اور جماعت کے تمام افراد میں باہمی ربط و ضبط اور اتنی محبت ہو کہ ایک فرد کو کسی قسم کی تکلیف ہو تو پوری جماعت کا ہر فرد اس کو اسی طرح محسوس کرے جس طرح کہ وہ شخص کر رہا ہے جس پر یہ مصیبت پڑی ہے۔ اس درجہ کا ربط و ضبط پیدا کرنے اور اس کو قائم رکھنے کے لئے میں نے یہ طریقے بنائے ہیں۔

1۔ ہفتہ وار حلقہ

ہفتہ وار حلقہ محض اسی لئے قائم کیا گیا ہے کہ ایک شہر کے سب بھائی ہفتہ میں کم از کم ایک دن تو آپس میں مل بیٹھیں۔ اپنی کہیں، دوسروں کی سنیں اور اگر کسی بھائی پر کوئی مصیبت پڑی ہو تو اس کو سب مل کر دور کرنے کی کوشش کریں یا اگر کسی بھائی کو کوئی خوشی کا موقعہ میسر آیا ہو تو سب مل کر اس کی خوشی کو دوبالا کریں۔ ایسے موقعوں پر اگر ساتھ کھانے پینے کا بھی کچھ بندوبست ہو جائے تو سبحان اللہ۔ میرے خیال میں تو ہر شخص یہ جانتا ہو گا کہ اس قسم کی صحبتوں اور خصوصاً" دعوتوں کی شرکت سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے اور ارتباط باہمی کو ترقی ہوتی ہے۔ ایسی مجلسوں کے لئے تو عام لوگ ناچ رنگ گانے بجانے اور کھیل تماشوں کا اہتمام کرتے ہیں لیکن آپ خود غور کریں کہ

جہاں کہیں ایسی صحبتوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر خیر ہو اور اللہ کے نام پر لوگ اکٹھے ہوں تو ان مجلسوں کی خیر و برکت کا کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ ہمارے حلقے کے بہت سے احباب اس نکتہ پر بالکل غور نہیں کرتے۔ بہت سے تو ایسے ہیں جو صرف میرے یا دوسرے پیر بھائیوں کے دکھانے کو محض رسماً شریک ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان سے بھی عجیب تر وہ بھائی ہیں جو اس ہفتہ واری حلقہ ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور اس میں شریک ہونے کے بعد سمجھ لیتے ہیں کہ بس ہم نے ذکر اللہ کا حق ادا کر دیا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ گھر پر روزانہ ذکر نہیں کرتے۔ ہفتہ کے ہفتہ وار حلقوں میں بھی شریک ہوتے ہیں۔

2۔ عام میل ملاقات

حلقہ کے بھائیوں کو چاہئے کہ ہفتہ وار حلقہ ذکر کے علاوہ اور دنوں میں بھی جہاں کہیں اور جب کبھی ممکن ہو میل ملاقات کی صحبتیں گرم کیا کریں اور جتنی بھی زیادہ دیر تک ممکن ہو ایک دوسرے کی صحبت میں بیٹھیں۔ چونکہ ان صحبتوں میں لغو اور فضول باتیں نہیں ہوں گی صرف اللہ اور رسول ﷺ کا ذکر اور دوسری نیک اور مفید باتیں ہوں گی تو اس سے باہمی ربط و ضبط کے علاوہ روحانی طاقت بھی بڑھے گی۔ افسوس ہے کہ حلقہ کے اکثر لوگ اپنے پیر بھائیوں کی صحبت میں بیٹھنے کا کوئی التزام نہیں کرتے۔ یہ لوگ بدنصیب ہیں ان کو پتہ نہیں چلتا کہ وہ کن کن دینوی اور روحانی نعمتوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔

3۔ خط و کتابت

شیخ حلقہ اور اپنے پیر بھائیوں سے خط و کتابت کرنے اور ان سے اپنے نجی کاموں میں مشورے لینے اور ممکن امداد طلب کرنے سے بھی ربط و ضبط قائم رہتا اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بہت ہی کم لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اتنی بات تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ سلسلہ میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں آدمی ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ شیخ سلسلہ ان میں سے ہر ایک کو یاد نہیں رکھ سکتا اور جو آدمی یاد ہی نہ ہو اس کے لئے دعا کیسے ہو سکتی ہے اور خاص فیض کس طرح پہنچایا جا سکتا ہے۔ ہمارے حلقہ میں بھی بہت سے آدمی ایسے ہیں جو مرید ہونے کے بعد سے پھر کبھی ملے ہی نہیں۔ مجھے نہ ان کا نام یاد ہے نہ صورت۔ بتائیے میں ان لوگوں کو کیا فائدہ پہنچا سکتا ہوں۔ خدا

جانے یہ لوگ حلقہ کی تعلیم پر عمل بھی کرتے ہیں یا نہیں' ہاں ایک بات ضرور ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو فوراً خط لکھتے ہیں اور خط میں ایک دو نہیں بلکہ پوری فہرست لکھ دیتے ہیں کہ اس کام کے لئے دعا کیجئے اور اس کام کے لئے دعا کیجئے۔ یہ مشکل آسان فرمایئے' یہ عقدہ حل کیجئے اور وہ پریشانی دور فرمایئے۔ غالباً یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے مرید ہو کر پیر صاحب پر بڑا احسان کیا ہے اور پیر ہی اس بات کا واحد ذمہ دار بلکہ ٹھیکیدار ہے کہ وہ کچھ کریں نہ کریں پیر ان کی دنیا اور دین کے تمام کام خود انجام دے۔ بعض آدمی کہتے ہیں کہ "اچھا تو صرف یہ بتا دیجئے کہ یہ کام ہو گا بھی یا نہیں اور ہو گا تو کب تک ہو گا" گویا پیر قادر مطلق ہے کہ ان کی تقدیر کو بدل سکتا ہے اور عالم الغیب بھی ہے جو بتا سکتا ہے کہ فلاں کام ہو گا بھی یا نہیں اور ہو گا تو کب تک ہو گا۔

یاد رکھئے! اپنے مرشد سے اس قسم کے سوال کرنا اس کی انتہائی تذلیل و توہین ہے۔ ایک طرف تو یہ لوگ مرشد کو قادر مطلق مان کر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں جس سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ دوسری طرف اس کو ارشاد کی گدی سے اتار کر فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے نجومی پامسٹ کے برابر لا بٹھاتے ہیں۔ "تعمیر ملت" "طریقت توحیدیہ" خطبوں اور ذاتی خطوں میں میں نے تو بار بار یہی لکھا ہے اور تقریروں میں ہزاروں بار یہی کہا ہے کہ مجھ میں مطلق یہ طاقت نہیں کہ تمہارے بگڑے کام بنا سکوں۔ تمہاری تقدیر بدل سکوں یا تمہاری مشکلیں آسان کر سکوں۔ میں تو خود ایک عاجز انسان ہوں۔ مجھ پر خود ساری عمر مصیبتیں پڑتی رہیں مگر کسی ایک کو بھی دور نہ کر سکا۔ ہاں یہ میں ضرور کر سکتا ہوں کہ تمہارے لئے دعا کر دوں اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ تمہیں خدا اور رسول ﷺ کے بتائے ہوئے ہدایت کے راستے کی نشان دہی کر دوں تاکہ اس راستہ پر کچھ عرصہ ثابت قدمی سے چلنے کے بعد خود تمہارے دلوں میں وہ بات پیدا ہو جائے کہ تمہاری دعائیں قبول ہونے لگیں اور جو قبول نہ ہوں ان پر تم کو صبر آ جائے۔ افسوس کہ یہ لوگ اس بات کی قدر ہی نہیں جانتے اور میرا کہا بالکل نہیں مانتے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ مجھ سے تو بیسیوں ایسی باتوں کی فرمائش کی جاتی ہے جن کا پورا کرنا میرے اختیار میں نہیں صرف خدا کے اختیار میں ہے اور خود ان دو چار باتوں پر بھی عمل نہیں کرتے جو میں نے انہی کے فائدے کے لئے ان کو بتائی ہیں اور جن کا کرنا ان کے اختیار میں ہے۔ اللہ ان کو ہدایت دے۔ آمین

4۔ سالانہ اجتماع

یہ اجتماع بھی اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ جن بھائیوں کو کبھی ملنے کا اتفاق نہ ہوتا ہو وہ یہاں مل کر ایک دوسرے کے اور نزدیک ہو جائیں اور یہ ملاقات ازدیاد محبت کا باعث ہو۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ یہاں بھی اکثر بھائی صرف انہی دوستوں سے ملتے اور تین دن تک انہی کی صحبت میں رہتے ہیں جن کو وہ پہلے سے ہی عزیز رکھتے ہیں۔ اس لئے میں سب بھائیوں کو خاص طور پر ہدایت کرتا ہوں کہ یہ خطبہ ختم ہونے کے بعد سے اجتماع کے ختم ہونے تک ہر ایک آدمی نئے نئے بھائیوں سے ملے اور زیادہ وقت انہی کی صحبت میں گزارے۔ اس بات کا تو میں گمان بھی نہیں کر سکتا کہ ہمارے حلقہ میں کوئی آدمی ایسا بھی ہو گا جو اپنے سے غریب یا کم علم بھائی سے ملنے میں عار محسوس کرتا ہو۔ پھر بھی میری ہدایت یہی ہے کہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ایسے بھائیوں سے ملو جو تم سے مرتبہ' علم یا دولت میں کمتر ہیں۔ اس سے تین فائدے ہوں گے ایک تو یہ کہ اگر تمہارے اندر غرور کا کوئی شمہ بھی ہے تو ختم ہو جائے گا۔ دوسرے یہ کہ غریب بھائی امیروں اور عالموں سے ملنے میں جو جھجک محسوس کرتے ہیں ان کی اس جھجک اور احساس کمتری کا خاتمہ ہو گا۔ تیسرے یہ کہ ہر ایک کے دل میں محبت کا چراغ اور زیادہ منور ہو جائے گا جو اس حلقہ کی تعلیم کا ایک خاص مقصد ہے۔

5۔ ماہوار فنڈ

ویسے تو یہ فنڈ غریب اور ضرورت مند لوگوں کی مدد کے لئے قائم کیا گیا ہے لیکن غور کریں تو اس کی وجہ سے بھی حلقہ کے ساتھ رابطہ اور تعلق قائم رکھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ جو لوگ فنڈ میں حصہ لیتے ہیں وہ نہ صرف ثواب کماتے ہیں بلکہ ظاہر ہے کہ ان کو حلقہ کی فلاح و بہبود کا کچھ نہ کچھ خیال ضرور رہتا ہے برخلاف اس کے جو لوگ نہ تو ذکر اذکار کرتے ہیں نہ ہفتہ وار حلقوں میں شریک ہوتے ہیں نہ فنڈ ہی میں حصہ لیتے ہیں ان کی بابت کس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حلقہ میں شامل ہیں۔ میں تو ان لوگوں کو حلقہ کا رکن نہیں سمجھتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو بیعت ہونے کے بعد کوئی روحانی یا دنیوی فائدہ نہیں ہوتا۔

الغرض یہ ہیں وہ طریقے جو میں نے حلقہ کے بھائیوں میں ربط ضبط اور تعلق قلبی پیدا کرنے کے لئے بنائے ہیں۔ اگر ان طریقوں کے علاوہ کسی بھائی کے ذہن میں ازدیاد ارتباط و تنظیم کا کوئی اور

طریقہ موجود ہو یا آئندہ سمجھ میں آئے تو اسے چاہئے کہ مجھ کو بتادے یا لکھ دے میں بہت ممنون ہوں گا۔ اب میں حلقہ کی تعلیم کا سرسری سا حال بیان کر کے یہ بتاؤں گا کہ حلقہ کے احباب نے اس پر کہاں تک عمل کیا ہے۔

حلقہ کی تنظیم کے وقت تک مجھے کبھی اس بات کا خیال بھی نہیں آتا تھا کہ اس حلقہ کا کوئی نیا نام رکھنا چاہئے اور تعلیم کو آسان کر دینا چاہئے۔

میں نے خود سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا سلوک طے کیا تھا اور جو لوگ حلقہ میں شریک ہوتے تھے انکو بھی یہی کہتا تھا کہ ہم نقشبندی ہیں مگر جب ہم نے حلقہ کی تنظیم شروع کی تب یہ خیال آیا کہ حلقہ کی تنظیم اور تعلیم موجودہ زمانہ کے حالات و متقضیات کے مطابق ہونی چاہئے ورنہ کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہو سکے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ پہلے جتنے بھی سلسلے موجود ہیں ان سب میں اس قدر زیادہ اور اود و ظائف پڑھنے کو بتائے جاتے ہیں کہ اگر انسان انکو پوری طرح ادا کرے تو حصول معاش کے لئے وقت ہی نہیں بچتا۔ اس کے ساتھ ہی نفس کشی کے لئے اتنے سخت مجاہدے اور ریاضتیں ضروری ہیں کہ اس زمانہ کے نازک مزاج اور نحیف الجثہ لوگ کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ میں نے ضروری سمجھا کہ سلوک کو قابل عمل بنانے کے لئے اسے مختصر اور آسان کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی مجھے یہ بھی خیال آیا کہ پرانے مروجہ سلسلوں میں اپنے پیروں اور فوت شدہ بزرگوں کے مزاروں کی عزت اس قدر مبالغے سے کی جاتی ہے کہ وہ پرستش کی حد تک پہنچ گئی ہے جو قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ باوجود ازیں اگر کوئی سالک روحانیت حاصل بھی کر لے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی نسبت اپنے شیخ یا کسی فوت شدہ بزرگ سے قائم ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ حضور اکرم ﷺ تک بھی نہیں پہنچ پاتے' خدائے برتر و توانا کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اور تو اور خود میں نے جب سلسلہ نقشبندیہ کا سلوک طے کر لیا۔ یعنی لطائف کھل گئے اور ان کے دوائر کی سیر کر لی اور مجھے خلافت مل گئی تو میں نے اپنے مرشد جناب مولانا کریم الدین احمد رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ قبلہ میں تو اس غرض سے بیعت ہوا تھا کہ مجھ کو خدا کا قرب اور معرفت یا قسمت میں ہو تو دیدار حاصل ہو جائے وہ تو کچھ بھی نہ ہوا اور یہ جو کچھ بھی ہوا ہے وہ تو میرے نزدیک کچھ بھی نہیں۔ تو انہوں نے بھی کانوں پر ہاتھ رکھ لیے اور فرمایا کہ سلسلہ کے سلوک میں تو یہی کچھ ہوتا ہے۔ خدا کی طلب ہے تو صبر کرو۔ قسمت میں ہے تو کوئی سامان ہو جائے گا۔ (جاری ہے)

نقطہ نور

(حافظ محمد یاسین)

"آؤ سوچیں اور جائزہ لیں کہ انسانیت تاریخ کے کس مرحلے سے گزر رہی ہے اور ہم کہاں کھڑے ہیں"

ہم نے اپنے مختصر سے دور عمر میں اپنے آپ کو بھی اپنے قریبی ماحول کے ابنائے نوع کو بھی اور اس سے آگے گزر کر دنیا بھر کے انسانوں کو بھی مسلسل ایک پریشانی' ایک اضطراب' ایک تنگی' ایک تشویش اور اپنے خوف کی حالت میں گرفتار دیکھا ہے۔

گھروں سے بین الاقوامی تنظیموں تک ہر جگہ بدگمانی' کھچاؤ' کشمکش اور تصادم کا سماں سامنے آتا ہے اس پورے دور میں تاریخ ایک ہنڈیا کی طرح ابال کھاتی رہی ہے اور اس ہنڈیا کے کھولتے ہوئے پانی میں اپنے جیسے کروڑوں انسانوں کے انبوہ کے ساتھ خود کو بھی مٹر یا چاول کے ایک دانے کی مانند زیرو زبر ہوتے پایا ہے۔ جس انسانی دنیا سے آج تک سابقہ رہا ہے وہ دو عالمی جنگوں کے درمیان پس کر اور بے شمار علاقائی جنگوں کے چرکے کھا کھا کر بھی سنبھلنے بھی نہیں پائی کہ ایک اور قیامت خیز جنگ کی تلوار اس کے سر پر لہراتی دکھائی دے رہی ہے۔

اس مختصر دور میں توڑ پھوڑ کے بے شمار ہنگامے نظر سے گزرے' بار بار انقلابوں کے بھونچال آتے رہے۔ سلطنتوں کو ابھرتے اور مٹتے دیکھا۔ نظریات کی لہروں کی آویزش دیکھی' سازشوں کی سرنگیں بچھتی اور پھٹتی دیکھیں۔ علاقوں کے ٹکڑے ہوتے دیکھے۔

انسانی گلوں کو اجڑ بچھڑ کر نقل مکانی کرتے دیکھا خود برصغیر ہندو پاک میں عین صبح آزادی کے ظہور کے ساتھ بالکل اپنے سر سے موج خون گزرتی دیکھی اور اس موج خون میں انسانی جانوں' عصمتوں اور آبرو اور قیمتی روایات و اقدار کو غرق ہوتے دیکھا۔

موجودہ عالمگیر مادہ پرستانہ تہذیب کے ظاہر فریب پردوں کے پیچھے جھانک کر انسانیت کا جائزہ لیجئے' تو وہ حال زار سامنے آتا ہے کہ روح کانپ جاتی ہے پوری آدم اولاد کو چند خواہشات نے اپنے شکنجے میں کس لیا ہے اور صرف دولت و اقتدار کے لئے ہاتھا پائی ہو رہی ہے۔ آدمیت کے اخلاقی شعور کی مشعل گل ہے۔ جرائم تمدنی ترقی کے ساتھ ساتھ تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔

نفسیاتی الجھنوں کا زور ہے اور ذہنی سکون یکسر غائب ہو چکا ہے انسانی ذہن و کردار میں ایسا بنیادی فساد آگیا ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ اس کی منحوس پرچھائیں سے محفوظ نہیں رہا۔ فلسفہ و حکمت سے سچائی کی روح کھو گئی ہے۔ اعتقادات و نظریات میں توازن نہیں رہا۔

روحانی قدریں چوپٹ ہو چکی ہیں۔ قانون روح عدل سے خالی ہو رہا ہے۔ سیاست میں جذبہ خدمت کی جگہ اغراض پرستی گھس گئی ہے۔ معشیت کے میدان میں ظالم اور مظلوم طبقے پیدا ہو گئے ہیں۔ فنون لطیفہ میں جمال کی ساری رنگ آمیزیاں جنسی جذبوں اور سفلی خواہشوں سے کی جانے لگی ہیں۔

تمدن کے سارے عوامل میں چپہ چپہ پر تضادات ابھر آئے ہیں جن کے درمیان تصادم برپا ہے اور پوری تاریخ ایک خوفناک ڈرامے میں بدل گئی ہے۔ عقل ترقی کر گئی ہے مگر اس کی حماقتوں کو ہمارے در آزاد ملے۔ علم کے سوتے ابل رہے ہیں۔ مگر اسی کی پروردہ جہالتوں کے ہاتھوں آدم زاد کا ناک میں دم ہے۔ دولت کے خزانے ہر طرف بکھرے پڑے ہیں۔ مگر خدا کی مخلوق بھوک، ننگ اور محرومی کے عذاب میں گھری ہے۔

ہزاروں گونہ تنظیمیں اور سیاسی، نظریاتی وحدتیں اور معاہداتی رابطے نمودار ہیں۔ مگر انسان اور انسان کے درمیان بھائی بھائی کا سا تعلق نہیں۔ چیتے اور بھیڑیئے کا سا معاملہ ہے۔ عقلی، سیاسی، اخلاقی اور تہذیبی شعور کی ترقی کے چرچے ہیں۔

مگر ظلم اور تشدد کے انتہائی ناپاک حربے آج بھی انسانیت کے خلاف کام میں لائے جا رہے ہیں۔ تاریخ ایک وسیع اکھاڑا ہے جس میں کہیں امپیریلزم اور حریت پسندی کے درمیان، کہیں کمیونزم اور سرمایہ داری کے درمیان، کہیں جمہوریت اور آمریت کے درمیان، کہیں فرد اور اجتماعیت کے درمیان اور کہیں مغربیت اور ایشیائیت کے درمیان ایک خونخوار آویزش ہو رہی ہے۔

مصنوعی سیاروں اور میزائیلوں کے اس دور میں سائنس الہ دین والے روایتی چراغ کے جن کی طرح مادی قوتوں کے نئے نئے خزانے انسان کے ایک ایک اشارے پر بہم پہنچا رہی ہے۔ قدرت کے سربستہ رازوں کے ازلی قفل حکمت کی کنجی سے کھل رہے ہیں۔

ہیبت ناک رفتاریں انسان کو زمان و مکان پر وسیع تصرف دلا رہی ہیں۔ جوہری توانائی نے تباہ کار دیوؤں کے لشکر انسان کے سامنے مسخر کر کے کھڑے کر دیئے ہیں جو بس ایک اشارہ ابرو کے منتظر

ہیں۔ دوسری طرف خود اس انسان کا اپنا حال یہ ہے کہ وہ شیطانی اور تخریبی قوتوں کے پنجے میں پہلے سے زیادہ بے بس دکھائی دیتا ہے۔ جو بار بار اسے اپنے ہی خلاف محشر آرا کرتی رہی ہیں اور جنہوں نے ہر دور تاریخ میں اس کے عظیم تعمیری کارناموں اور اس کے شاندار تمدنوں کو خود اسی کے ہاتھوں ملیامیٹ کرایا ہے۔

ذرا کسی ایسے کارواں کا تصور کیجئے جو کسی پہاڑ کی چوٹی پر ڈیرہ ڈالے اور زربفت کے خیمے نصب کر کے کھانے پینے، رقص و موسیقی اور شعر و شراب میں مگن ہو، اس کے پاس کاروباری اموال کے انبار ہوں، اکے ساتھ روپے سے بھری ہوئی تھیلیاں ہوں، جانوروں اور سواریوں کی کثرت ہو۔ اس کا اسلحہ چمکدار اور اس کا پہرہ مضبوط ہو۔۔۔۔ لیکن عین اس کے قالینوں اور بستروں اور مسندوں کے نیچے کی زمین میں چند منٹ کی گہرائی پر خوف ناک لاوا کھول رہا ہو۔

اور تھوڑا ہی وقفہ اس میں باقی ہو کہ پہاڑ پھٹ پڑے اور آگ کا طوفان امڈنے لگے کچھ ایسا ہی حال ہمارے قافلہ تمدن کا ہے۔ جو موجودہ لمحہ تاریخ کی پہاڑی پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ اس پہاڑی کے سینے میں ہولناک ترین بحران کا لاوا کھول رہا ہے۔

ہمارے سامنے مشیت عالمی بحران کا چیلنج لئے کھڑی ہے وقت کے راستہ پر پیچھے بھاگنے کا امکان نہیں۔ چیلنج کا جواب دینے کی صلاحیت موجودہ مادی تہذیب اور اس کے بنائے ہوئے انساں میں نہیں ہے کوئی نیا فلسفہ نہیں ابھر رہا ہے۔ جو کم از کم ایک چھلاوے کی طرح وقتی طور پر ہی سرمایہ اطمینان بن سکے۔ کسی طرف کوئی راہ نجات کھلتی نظر نہیں آتی۔

اضطراب کے اس لمحے میں جب میں چاروں طرف نگاہیں گھماتا ہوں تو تاریکی کا ایک سمندر، شش جہت سے محاصرہ کئے ہوئے دکھائی دیتا ہے اس سمندر میں دور چودہ صدی کی دوری پر ایک نقطہ نور دکھائی دیتا ہے یہ انسانیت کے سب سے بڑے محسن محمد ﷺ کے پیغام کی مشعل ہے

وہی مشعل جس کی روشنی کو خود ہم نے ۔۔۔۔۔۔ محمد ﷺ کے نام لیواؤں نے ۔۔۔۔۔ اپنے افکار پریشان اور اپنے اعمال پراگندہ کے غبار میں گم کر رکھا ہے۔

(محسن انسانیت سے اقتباس)

جینیاتی شناختی کارڈ

(علیم احمد)

انسان مختلف النوع بافتوں اور ساختوں کا مجموعہ ہے۔ ہمارے جسم کا کوئی حصہ بہت سخت اور مضبوط جب کہ کوئی حصہ نرم ہے لیکن ہر حصے کی ساخت اور اس کے خواص اسے دی گئی ذمے داریوں کے عین مطابق ہیں پھر صرف انسان ہی نہیں بلکہ خلیے سے لے کر وہیل مچھلی تک ہر جان دار قدرت کی ودیعت کردہ چند مخصوص ہدایات کے مطابق عمل کرتا ہے اور یہ تمام ہدایات خلیے کے مرکزے (نیو کلیس) میں بند ڈی این اے کی شکل میں محفوظ ہوتی ہیں۔

ڈی آکس رائبو نیو کلئیک ایسڈ یا ڈی این اے (DNA) شاید اس کائنات کا پیچیدہ ترین سالمہ ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق تین ارب (3,000,000,000) چھوٹے سالموں کا مجموعہ ہے۔ ایسا ہر چھوٹا سالمہ ڈی این اے کی اساس (Base) کہلاتا ہے۔ زندگی کی سالماتی کہانی یہیں سے شروع ہوتی ہے اور یہیں آکر ختم بھی ہوتی ہے۔ زندگی کا سارا راز یہی ہے اور حیات کا رمز (کوڈ) بھی یہیں ہے۔

ڈی این اے میں چار اساس ہوتے ہیں اول ایڈی نین (Adenine) جسے A سے ظاہر کرتے ہیں۔ دوم تھائی مین (Thymine) جسے T سے ظاہر کرتے ہیں۔ سوم گوانین یا گونین (Guanine) جس کی علامت G ہے اور چہارم' سائٹوسین (Cytosine) جس کا مخفف C لکھا جاتا ہے۔

جب یہ اساس ڈی این اے میں ہوتے ہیں تو ہر اساس کے ایک طرف' ڈی آکس رائبوز (Deoxyribose) نامی پنٹوز (Pentose) شوگر سے منسلک ہوتی ہیں' جنہیں علامتی طور پر S سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ ڈی آکس رائبوز کا سالمہ بھی چونکہ ڈی این اے میں شامل ہوتا ہے لہٰذا اس کے لئے بھی یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی مددگار کے ذریعے اس سالماتی زنجیر میں شامل رہے۔ یہ ضرورت فاسفورس ایسڈ (P) سے پوری ہوتی ہے جو ڈی آکس رائبوز کی طرف جڑا ہوتا

ہے۔ اس طرح ڈی این اے کی دوہری چکردار زنجیر کی ایک جانب ہے' جب کہ دوسری جانب بھی کچھ اسی طرح کا معاملہ ہوتا ہے' جہاں اساس' ڈی آکسی رائبوز اور فاسفورک ایسڈ کے ملاپ سے دوسری لڑی تشکیل پاتی ہے۔ ان لڑیوں کے درمیان میں ایک اساس' دوسری اساس سے ایک خاص اصول اور ضابطے کے تحت منسلک ہوتی ہے۔ اصول یہ ہے کہ ڈی این اے میں ہمیشہ ایڈنین (A) کا اتصال تھائی مین (T) سے ہو گا اور گوانین (G) کا ملاپ سائٹوسین (C) سے اسی ضابطے اور اسی تنظیم کی پاس داری کرتے ہوئے ڈی این اے کی پوری عمارت تعمیر ہوتی ہے اور یہی عمارت ہر جان دار کے جسم و جان کی بنیاد رکھی جانے والی اینٹ بن جاتی ہے۔

کمپیوٹر میں تمام کی تمام تر معلومات اور ہدایات' جس طرح رموز یعنی کوڈز (Codes) کی شکل میں محفوظ ہوتی ہیں۔ بالکل اسی طرح ڈی این اے میں بھی زندگی کا پیچیدہ کوڈ' اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ بھرپور انداز میں کارفرما ہوتا ہے' جسے جینیات کوڈ (Genetic Code) کہتے ہیں۔ اس میں کوئی سے بھی تین اساس مل کر ایک جینیاتی پیغام کا باعث بنتے ہیں اور ان کے ملنے سے اصطلاح میں "کوڈون" (Codon) کہا جاتا ہے۔ اس طرح چاروں اساس میں سے کوئی سے تین اساس لے لئے جائیں تو ایک کوڈون تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ یہاں ایک بات ذہن نشین رہے کہ جینیاتی کوڈون میں موجود اساس' ایک دوسرے سے مختلف بھی ہو سکتے ہیں اور ایک ہی اساس کو ایک سے زائد مرتبہ دہرا کر بھی کوڈون بنایا جا سکتا ہے۔ اس نکتے کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ چار میں سے تین اساس منتخب کر کے ہم کل 64 کوڈونز بنا سکتے ہیں۔ جس طرح کمپیوٹر میں ایک بائٹ (Bite) کسی خاص حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی طرح جینیاتی کوڈون بھی ایک حکم کا درجہ رکھتا ہے' جس کے تحت امائنو ایسڈ (AminoAcid) بنتے ہیں۔ قدرتی طور پر صرف بیس امائنو ایسڈ پائے جاتے ہیں اور انہی امائنو ایسڈز میں ظہور ترتیب کی تبدیلی اور تغیر کی وجہ سے ہر جان دار شے' دوسرے سے مختلف ہو جاتی ہے۔ پھر بیماری' صحت' مزاج' خواص' عادات' اطوار' رجحانات' میلانات' رنگ و بو اور نسل جیسی تمام باتیں بھی اس جینیاتی ذرائعے کی مرہون منت ہیں' جسے ڈی این اے کی شکل میں لکھا گیا ہے اور اساس ڈی آکسی رائبوز' فاسفورس کوڈون اور امائنو ایسڈز اس

کہانی کے مرکزی کردار ہیں جو ہمیشہ پس منظر میں رہتے ہیں۔

ہر انسان اپنی شناخت اپنے ساتھ لئے پھرتا ہے لیکن وہ کسی شناختی کارڈ یا دوسری قانونی دستاویز کی شکل میں نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ ایک قدرتی دستاویز ہے' جسے سائنس کی زبان میں ڈی این اے یا ڈی آکسی رائبوز کیٹک ایسڈ (De Oxyribe nucteic Acid) کہتے ہیں۔ جیسے جیسے نت نئی دریافتیں ہو رہی ہیں ویسے ویسے ڈی این اے کی کارگزاریاں اور اہمیت ہم پر واضح ہوتی جا رہی ہے۔ تین ارب سالماتی اکائیوں پر مشتمل یہ عظیم سالمہ اپنے اندر ہماری ایک ایک بات' عادت اور ادا سموئے ہوئے ہے۔ ہماری رنگت' قد کاٹھ' شکل و شباہت' خدوخال' عادات و اطوار' صحت' بیماریوں' غرض کہ سر کے بال سے لے کر پیر کے ناخن تک ہر چیز کی تفصیل ڈی این اے میں محفوظ ہے۔ ڈی این اے کی انہی حیرت انگیز صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اب سائنس داں ایسا آلہ بنانے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں' جو چشم زدن میں یہ بتا سکے کہ کس فرد کو اپنی زندگی میں کون کون سی بیماریاں لاحق ہو چکی ہیں' اس کا جسمانی نظام کس حال میں ہے اور مستقبل میں اسے کس طرح کے امراض لاحق ہو سکتے ہیں بلکہ ماہرین تو اس کوشش میں ہیں کہ مذکورہ آلے کو ترقی دے کر اس میں یہ صلاحیت بھی پیدا کر لی جائے کہ وہ کسی مریض کے مزاج اور جینیاتی خواص کے مطابق دوا تجویز کرنے میں بھی مدد دے سکے۔ مختصر یہ کہ اس آلے میں معمولی سی ترمیم کے ساتھ افراد کی درست شناخت کرنے کی بھرپور صلاحیت موجود ہے۔

یہ ایفی میٹرکس (Affymetrix) کی جین چپ فیکٹری ہے۔ اس فیکٹری میں روبوٹ بھی مصروف کار ہیں' ایک روبوٹ کے خودکار بازو میں سی ڈی جتنا شیشے کا سیاہ ٹکڑا ہے۔ اس پر لیزر کی مدد سے نہایت باریک نقوش ابھارے جا رہے ہیں۔ یہ جینیاتی چپ کا سانچہ ہے۔ جس کا مقصد انسانی جینیاتی کوڈ کو سرعت کے ساتھ پڑھنا اور اس کا تجزیہ کرنا ہے' جس کی بدولت مستقبل میں ڈاکٹر آپ کے جسم کے خلیات سے ڈی این اے علیحدہ کر کے اس جین چپ (Gene Chip) پر رکھ دے گا اور کچھ ہی دیر میں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ کو کسی ذہنی یا قلبی مرض لاحق ہونے کا کس حد تک امکان ہے۔ اس کی بدولت کچھ ہی دیر میں آپ یہ بھی جان سکیں گے کہ خدانخواستہ

آپ کو سرطان ہے تو وہ کس مرحلے پر ہے۔ علاوہ ازیں جین چپ آپ کے علاج کے لئے موزوں ترین دوا تجویز کرنے میں ڈاکٹر کی مدد بھی کرے گی۔ اگرچہ اس میدان میں ایفی میٹرکس کے علاوہ کئی دوسری کمپنیاں بھی کود پڑی ہیں، مگران سب کی منزل ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ جینیاتی چپ کو تجارتی سطح پر لایا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد اس سے مستفید ہو سکیں۔ اس تحقیق کے ڈانڈے 'ادویہ سازی میں ہونے والی پیش رفت سے بھی جا کر ملتے ہیں اور یوں اس تحقیق سے نت نئی دواؤں کی تیاری میں بھی مدد مل سکے گی۔

ہر کام میں تیز رفتاری کے رجحان کی بناء پر ماہرین جینیات بھی مجبور ہو گئے ہیں کہ وہ کم سے کم وقت میں موثر ترین تجزیے کو ممکن بنائیں لیکن اگر اس منصوبے میں استعمال ہونے والی ٹیکنالوجی کا سہارا لیا جائے تو صرف ایک فرد کے جسم میں موجود لگ بھگ ایک لاکھ جینز کی مکمل نقشہ کشی اور ان میں چھپے اسرار و رموز کی دریافت میں بیس سال لگ جائیں گے مگر شاید مستقبل میں ایسا نہ ہو کیونکہ چند جین چپس کی مدد سے یہ تمام کام صرف ایک رات میں پورا ہو جائے گا۔ اگر ایسا ہو جائے تو یہ کسی جادو سے کم نہیں ہو گا۔

ایفی میٹرکس کے سائنس داں 1989ء سے ایک بہت ہی مختصر سکے جتنا آلہ وضع کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ کار آمد ادویہ تیار کرنے کے لئے ہزاروں مرکبات کے سالموں کو کم سے کم وقت میں جانچ لیا جائے اور جس مرکب کے سالمے بھی مطلوبہ خواص سے قریب تر محسوس ہوں، اسے مزید تحقیق کے لئے آگے بڑھا دیا جائے۔ آخر انہیں ایک طریقہ سوجھ ہی گیا۔ طے یہ پایا کہ لیزر کی مدد سے شیشے کے چھوٹے سے ٹکڑے پر مختلف سالموں کی ایک کثیف جالی (Grid) تشکیل دی جائے لہٰذا پہلے پہل انہوں نے شیشے کے ٹکڑے پر پروٹین کا جال بچھایا۔ دریں اثنا ایک نوجوان سائنس داں اسٹیفن فورڈ نے رائے دی کہ پروٹین کے بجائے ڈی این اے کے استعمال سے کچھ اور بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کے مطابق "ڈی این اے" کے چاروں اساس ایک قدرتی اصول کے پابند ہیں اور یہ کہ ایڈی نین (A) صرف تھائی مین (T) اور گوانین (G) صرف سائٹو سین (C) ہی سے ملاپ کرے گا۔ جب یہ بہت بنیادی اور آسان سی بات ہمارے علم میں ہے تو کیوں

نہ اس کو نامعلوم ترتیب کی بابت جاننے کے لئے استعمال کیا جائے"۔ البتہ یہاں تھوڑی سی وضاحت ضروری ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ڈی این اے میں سالمات کی دو زنجیریں ایک دوسرے سے لپٹی ہوئی ہیں اب ذرا تصور کیجئے کہ ڈی این اے واقعتاً کی زنجیر کی مانند بہت بڑا ہو گیا ہے۔ آپ اسے دیکھ سکتے ہیں، چھو سکتے ہیں پھر ہم اب آپس میں لپٹی ان دونوں زنجیروں کو ایک دوسرے سے الگ کر لیتے ہیں۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ صرف ایک زنجیر پر سالمات کی ترتیب لکھی ہوئی ہے اور دوسری پر کوئی نام و نشان نہیں۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ بے نام و نشان زنجیر میں کون کون سے اساس کس ترتیب سے موجود ہیں۔ اب ہم کیا کریں گے؟ ہمارے علم میں A-T اور C-G والا اصول ہے۔ اسی پابندی کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم بہ آسانی یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ نامعلوم زنجیر کے اجزاء کیا ہیں؟ ہمیں صرف یہ کرنا ہو گا کہ جب زنجیر پر سالمات کی ترتیب درج ہے، اسے پڑھتے جائیں اس طرح مقابل زنجیر کے اجزاء خود معلوم ہو جائیں گے۔ فوڈر نے بتایا کہ متعدد خطرناک اور موروثی امراض، جین (یعنی ڈی این اے کے مخصوص حصوں) میں جینیاتی کوڈ تبدیل ہو جانے کی وجہ سے لاحق ہوتے ہیں اگر ہمیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں بیماری میں فلاں جین کے اساسوں کی ترتیب کیا ہوتی ہے، تو پھر ہمارے لئے اگلا مرحلہ بھی آسان ہو جائے گا۔

فوڈر کا خیال سراہا تو گیا لیکن اسے قابل عمل نہیں سمجھا گیا۔ اسی بناء پر وہ 1993ء میں اپنے چند ہم خیال سائنس دانوں کے لے کر الگ ہو گیا اور اس نے ایک نئی کمپنی الفی میٹرکس کی بنیاد پر رکھی، جس کا مقصد ایک خواب کو حقیقت کا روپ دینا تھا۔ صرف چھ سال کے عرصے میں آج یہ کمپنی ایک سو پچاس ملازمین پر مشتمل ہے اور کئی ادویہ ساز ادارے اس کے رابطے میں ہیں۔ یہاں کی تجربہ گاہوں میں شیشے کے سپاٹ ٹکڑوں پر ڈی این اے کے اجزاء یعنی A، G، C اور T کی تہیں بنائی جا رہی ہیں یہ بالکل ایسے ہی ہے، جیسے آپ کثیر المنزلہ عمارتوں کا شہر بسانے جا رہے ہوں اور ایک وقت پر ہر عمارت کی ایک منزل تعمیر کی جائے اور آخر کار سارے شہر کی تمام عمارتیں بہ یک وقت مکمل ہو جائیں۔

سردست یہاں صرف انہی بیماریوں کا سراغ لگانے کے لئے جین چپ بن رہے ہیں، جن کا

سبب بنے والے جینیاتی تغیرات کا ہمیں بہ خوبی علم ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ سب کچھ کس طرح ہو رہا ہے؟ تو اس کے لئے پہلے تو مخصوص جینیاتی تسلسل کے حامل سالموں کو شیشے کے سپاٹ ٹکڑے پہ تہہ بہ تہہ ترتیب دے دیا جاتا ہے پھر کسی انسان (یعنی مریض) کے جسم سے ڈی این اے الگ کر کے اس کی دوہری زنجیر الگ کرلی جاتی ہے۔ (یہ سب کام خامروں کی مدد سے ہوتا ہے) بعد ازاں خاص طرح کے کیمیائی مرکبات کے ذریعے ہر اکیلی اور لمبی زنجیر کو مخصوص مقامات سے کاٹ کر چھوٹی چھوٹی لاکھوں کروڑوں زنجیریں بنادی جاتی ہیں۔ پھر ہر چھوٹی زنجیر کے سرے پر ایک مرکب جڑ دیا جاتا ہے جسے "فلوریسنٹ ٹیگ" (Flouresceut Tag) کہتے ہیں۔ یہ ٹکڑا لگانے کا مقصد کچھ یوں ہے کہ جب اس پر خاص طرح کی شعاعیں پڑتی ہیں تو یہ جگمگا اٹھتا ہے اور اپنی موجودگی کا پتا دیتا ہے۔ اگلے مرحلے میں یہ جینیاتی محلول، جین چپ کی سطح پر ٹپکا دیا جاتا ہے اور ڈی این اے کا ہر ٹکڑا (Chunk) اپنے مخالف حصے کی تلاش میں نکل پڑتا ہے پھر جو سانچہ بھی اسے موزوں ترین ملتا ہے، تو اس سے مل کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے بعد اس جین چپ کو احتیاط سے دھو کر لیزر اسکین کے ذریعے روشن مقامات کا جائزہ لیا جاتا ہے، یہ سارا کام کمپیوٹر کرتا ہے اور بہت کم وقت میں ساری رپورٹ مرتب کر کے پیش کر دیتا ہے۔ جس کے ذریعے ڈاکٹر صاحبان یہ جان لیتے ہیں کہ متعلقہ فرد کے جسم میں خراب جینز کی نوعیت کیا ہے اور وہ کسی مرض یا کسی اور سبب کے ہاتھوں کس حد تک تغیر پذیر ہو چکے ہیں۔ ابتدائی کامیابیوں کے پیش نظر اس جین چپ کے لئے اور بھی نئے اطلاقات کی تلاش جاری ہے۔ اس بارے میں ایفی میٹرکس کے اسٹیفن فوڈر کا کہنا ہے۔ "آج ہم ایک جین چپ کی مدد سے صرف ایک لاکھ اکائیوں (Units) پر مشتمل ڈی این اے کا تجزیہ کر سکتے ہیں، مگر مجھے امید ہے کہ پانچ برس کے اندر اندر اس کی کارکردگی میں دس سے بیس گنا اضافہ ہو جائے گا"

دورِ زوال میں تصوف کی تجدید

(سید محمد عبداللہ بخاری)

یہ بات تقریباً ہر فرد جانتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں اسلام کے پھیلاؤ میں بزرگان دین یعنی اولیاء اللہ کا بڑا اہم حصہ ہے مختلف ممالک سے اولیاء اللہ آئے اور یہاں کے مقامی لوگوں کو مسلمان کیا اور فیض پہنچایا۔ اسطرح پاکستان اور ہندوستان میں کئی سلسلوں کی بنیاد پڑی۔ اس طرح تصوف کے کئی سلسلے اپنے عروج پر پہنچ کر زوال پذیر ہوئے۔ اب ان تصوف کے سلسلوں کے اولیاء کے صرف مزار نظر آتے ہیں یا پرانی کتابوں میں انکے احوال نظر آتے ہیں۔ اکثر سلسلے ختم ہو چکے ہیں صرف گنتی کے دو چار سلسلے تصوف کی تعلیمات کو لے کر آگے چل رہے ہیں مگر ان کی تعلیمات اتنی پرانی ہو چکی ہیں کہ نئے دور کے لوگ ان کے مجاہدے اور وظائف پورے کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں۔

خواجہ عبدالحکیم انصاری" جو ایک کامل ولی اللہ تھے انہوں نے نہ صرف مسلمانوں کے عروج و زوال کا تجزیہ کیا بلکہ تصوف کے زوال کا بھی تجزیہ کیا اور تصوف کی تجدید کر کے ایک نیا سلسلہ قائم کیا جس کا نام سلسلہ عالیہ توحیدیہ رکھا۔ جس میں روحانی ترقی کے نئے اور آسان طریقے بتائے اور اس بات کا بھی خاص خیال رکھا کہ کہیں شریعت کی خلاف ورزی نہ ہو کیونکہ خواجہ صاحب "تصوف کو شریعت کی باندی یا لونڈی" سمجھتے تھے اور اپنے نئے سلسلہ کو شریعت کے تابع کیا اور خاص کر توحید پر سختی سے عمل کرایا۔ ذیل میں چند اہم وجوہات کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے جن کے باعث تصوف کے سلسلے زوال پذیر ہوئے۔

گدی نشینی

تصوف کے زوال کا ایک سبب خاندانی گدی سسٹم بنا جس میں پیر کا بیٹا پیر اور مرید کا بیٹا مرید ہوتا ہے اور لوگ سلوک طے کرنے کی بجائے صرف برکت کے لئے بیعت ہوتے ہیں۔ ابتدا میں تو کچھ جانشین کچھ نہ کچھ روحانیت رکھتے ہیں مگر ایک دو پشتوں کے بعد صرف تصوف کا کتابی علم رکھنے والے جانشین آ جاتے ہیں اب یہ بچارے اپنے ہزاروں مریدوں کا تزکیہ کیا کریں گے ان کا تو اپنا تزکیہ نفس نہیں ہوتا۔ یہ اپنا حلقہ اثر قائم رکھنے کے لئے میلوں ٹھیلوں کا اہتمام کرتے ہیں اور بعض

عرس پر بڑے بڑے قوال بلاتے ہیں تاکہ لوگ ان قوالوں کو سننے کے لئے زیادہ تعداد میں شریک ہوں۔

خلفاء کی کثرت

بعض روحانی پیشواؤں نے بیک وقت کئی کئی خلفاء بنائے اور انہیں اس بات کی اجازت دی کہ وہ اپنے لئے مریدوں کو بیعت کریں اور سلسلہ میں شامل کرلیں۔ اب ان خلفاء کا مزاج' اخلاق وغیرہ کا فرق مریدوں پر اثر انداز ہوا۔ اور حلقہ میں بے رنگی کی کیفیت پیدا ہوئی اور مرکزیت ختم ہو گئی اس طرح سلسلے بڑے گروپ کی بجائے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم ہوتے گئے اور بل آخر زوال پذیر ہوئے۔

روحانی قوت میں کمی

گدی سسٹم کے باعث رفتہ رفتہ یعنی ایک دو پشتوں کے بعد گدی نشینوں کی روحانیت وہ نہیں رہتی جو ہونی چاہئے۔ ایک بزرگ اپنے بیٹے کو چاہے جتنا فیض دے وہ اس وقت تک رہے گا جب تک کہ وہ بزرگ زندہ ہے جب وہ بزرگ اس دنیا سے رخصت ہو گا تو اس بیٹے کے پاس وہی بچے گا جو اس نے اپنی محنت سے حاصل کیا ہو گا۔ کیونکہ موجودگی کی کیفیت بعد کی کیفیت سے مختلف ہوتی ہے مثال کے طور پر صحابہ کرامؓ جب آنخضرت ﷺ کی محفل میں تشریف فرما ہوتے تھے تو اس وقت ان کے دل کی کیفیت اور ہوتی تھی مگر جب آپ ﷺ کی محفل میں نہیں ہوتے تھے تو ان کی کیفیت بدل جاتی تھی بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اس بات کا تذکرہ نبی کریم ﷺ سے بھی کیا۔ اسی طرح آنخضرت ﷺ کے وصال کے بعد دل کا وہ لطف و سرور جاتا رہا اور سوز و گداز کی وہ کیفیت بدل گئی جو آپ ﷺ کی موجودگی میں تھی۔ ہمارے توحیدیہ حلقے کے پرانے بھائی بڑی اچھی طرح جانتے ہیں کہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی موجودگی میں ان کی جو کیفیت ہوتی تھی وہ بعد میں نہیں رہی اگرچہ جن بھائیوں نے خود محنت کی تھی ان کی کیفیت اور تھی اور وہ روز بروز ترقی کرتے گئے اور اپنا سلوک جاری رکھا۔ خواجہؒ نے بڑی فراخی سے ہر ایک کو فیض دیا اور بے بہا دیا۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا مسئلہ

تصوف کے سلسلوں میں مختلف قسم کی فلسفیانہ بحث جاری رہی جن میں نظریہ وحدت الوجود

اور نظریہ وحدت الشہود بڑے اہم ہیں اس بحث سے صوفیاء کرام میں گروہ بنے لیکن جب یہ بحث عوام میں ہونے لگی تو اس سے فرقہ بندی میں اضافہ ہوا۔ راہ سلوک کی غلط فہمی عوام میں پھیلنے لگی جس سے تصوف کی بدنامی میں اضافہ ہوا اور بعض علماء نے اسے ممنوع قرار دیا۔ اس سے تصوف کی مخالفت میں اضافہ ہوا۔

مزار اور خانقاہیں

اب خانقاہی سسٹم دور جدید کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر ہے۔ جس کے باعث اب اس سائنسی دور میں اسے اختیار کرنا اور اپنانا تقریباً" ناممکن ہو گیا ہے۔ اسی طرح مزاروں کی کثرت کے باعث لوگوں کی توجہ عملی سلوک کی بجائے مزاروں کے چکروں تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ صرف مزار پر حاضری کافی تصور کر لی گئی اور فاتحہ خوانی اور عرسوں پر حاضر ہونے کو ہی تصوف سمجھ لیا گیا ہے اور کثرت ذکر کو چھوڑ دیا گیا ہے اس کے علاوہ "قبر پرستی اور پیر پرستی اس قدر زیادہ ہو گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تو کسی کو یاد نہیں آتا۔ قبروں کو سجدے کرنا ان سے منتیں ماننا اس قدر عام ہو گیا ہے کہ عوام اس کو گناہ اور شرک تو کیا برا بھی نہیں سمجھتے (طریقہ توحیدیہ)

تزکیہ اخلاق کے پرانے طریقے

تزکیہ نفس اور اخلاق کے پرانے طریقے اتنے سخت ہیں کہ اس دور جدید میں ان پر عمل کرنا ممکن نظر نہیں آتا چونکہ اب دور بدل گیا ہے نئے دور کے تقاضے پرانے دور کے تقاضوں سے مختلف ہیں اب اتنے وظائف پر عمل نہیں ہو سکتا جو پرانے طریقوں میں بتائے گئے ہیں۔ سوائے رہبانیت اختیار کئے ذکر و وظائف کو پورا کرنا ممکن نہیں رہا۔

یہ وہ چند صورتیں ہیں جو تصوف کے زوال کا باعث بنیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تجدید کس طرح کی؟ اور اس کے زوال کو روکنے کے لئے کیا کیا اقدامات کئے؟ تاکہ راہ حق کے متلاشی اور دیدار الٰہی کے پیاسے اپنی پیاس بجھا سکیں۔ اس لئے قبلہ انصاریؒ نے سب سے پہلے ایک کتاب "تعمیر ملت" لکھی جو کہ فرقہ واریت سے پاک ہے اور عام مسلمانوں کی رہنمائی کرتی ہے اور تصوف کی اصطلاحات کو واضح کرتی ہے اور تعمیر سیرت کے لئے اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

روحانیت اور تصوف کے زوال کا باعث گدی سسٹم ہے اسے دور کرنے کے لئے خواجہ صاحب نے ایک کتاب "طریقت توحیدیہ" لکھی جس میں خلیفہ اور جانشین کے تقرر کا طریقہ کار وضع کیا تاکہ معیار آخر تک قائم رہے اور نیا جانشین میرٹ پر بنے اور وہ اس قابل ہو کہ مریدوں کا تزکیہ اخلاق کر سکے۔ اور جانشینی غیرو راثتی کر دی ہے تاکہ وراثتی گدی سسٹم ختم ہو۔ خواجہ صاحبؒ نے اپنے خاندان سے باہر کے آدمی عبدالستار خان صاحب کو اپنا جانشین بنایا جن کے ساتھ صرف روحانی تعلق تھا اور کوئی رشتہ داری نہیں تھی۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنا وصیت نامہ لکھا اور واضح طور پر بیان کیا کہ "تاہم یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ حلقہ توحیدیہ کے روحانی پیشوا کے منصب کی جانشینی ہمیشہ کے لئے غیرو راثتی رہے گی اور کوئی روحانی پیشوا اس بلند منصب کے لئے ان اشخاص میں سے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کر سکے گا جو اس کے خاندان کے افراد ہوں"۔

پرانے سلسلوں میں کثرت خلفاء زوال کا باعث بنی آپؒ نے ایک خاص طریقہ کار شریعت محمدی سے اخذ کیا جس کے تحت جانشین کا تقرر عمل میں آتا ہے یہ آپؒ کی بصیرت کا کمال تھا کہ آپ نے ایک سے زائد خلفاء بنانے سے منع کر دیا اور سلسلہ کی مرکزیت کو برقرار رکھا۔ خلفاء کی بجائے مجازین بنانے کی روایت ڈالی جو صرف اور صرف مرشد کے لئے اپنے ہاتھ پر کسی کو بیعت کر سکتے ہیں اور سلسلہ کا نظم و نسق چلانے کے لئے مرشد کی معاونت کرتے ہیں۔ آپؒ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی پیروی کرتے ہوئے مجازین کو اختیار دیا کہ وہ خلیفہ نامزد نہ ہونے کی صورت میں اپنے میں سے اہل تر شخص کو اپنا خلیفہ باہمی مشاورت سے بنا دیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو مشاورت میں تو شریک کیا تھا کیونکہ وہ اہل تھے لیکن خلیفہ نامزد کرنے سے سختی سے منع فرمایا اسی طرح قبلہ انصاریؒ نے حکم دیا کہ کوئی خلیفہ اپنے قریبی رشتہ دار کو نامزد نہ کرے چاہے وہ اہل ہی کیوں نہ ہو۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا ماضی گواہ ہے کہ مجازین نے باہمی مشاورت سے اپنے میں سے اہل تر شخص کو سلسلہ کا جانشین مقرر کر دیا جب اس سلسلے کو وراثتی گدی میں تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی اور اس جانشین نے دوبارہ سلسلہ کو ان خطوط پر استوار کیا جس پر اسے بانی سلسلہ نے استوار کیا تھا۔

قبلہ انصاریؒ نے اپنے تمام مریدوں کو ہمیشہ فیض دینے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی اس سلسلے میں

بڑے فیاض تھے۔

آپ نے حقیقت وحدت الوجود لکھ کر وہ کیفیات بیان کر دیں جن کے باعث صوفیاء کرام میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا جھگڑا کھڑا ہوتا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد آدمی پر یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ حقیقت حال کیا ہے آپ نے یہ کتاب لکھ کر یہ جھگڑا ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ جتنا صاف صاف اور واضح آپ نے یہ مسئلہ بیان کر کے حل کیا جو پہلے کسی نے نہیں کیا۔

مزاروں کے چکروں کو آپ نے ختم کر دیا ہے اور واضح طور پر کہا کہ میری وفات کے بعد میری قبر کچی بنائی جائے اور اس پر کوئی اجتماعی پروگرام نہ کیا جائے۔ نہ کوئی برسی' نہ فاتحہ خوانی کا اجتماعی پروگرام۔ آپ" کی وفات کے بعد آپ کی قبر مبارک کچی بنائی گئی۔ اس طرح آپ نے اپنا مزار پسند نہ کیا کیونکہ آپ مزاروں پر ہونے والے شرک سے واقف تھے جس کے مرتکب جاہل لوگ ہوتے ہیں۔ یعنی نہ مزار ہو گا نہ کوئی خرابی ہو گی۔

آپ" نے تصوف کی تعلیم کو عام فہم بنایا ہے اور اس کی تجدید کر دی ہے تاکہ ایک عام آدمی قرب الٰہی کے حصول کے لئے اس پر چل سکے۔ آپ" نے مجاہدے اور تزکیہ اخلاق کے پرانے طریقے ختم کر دیئے ہیں اور نئے طریقے بتائے ہیں تاکہ سالک ان پر عمل کر سکے۔ کیونکہ پرانے طریقے اس دور کے تقاضوں کے خلاف ہیں۔

آپ نے شریعت اور طریقت کے فرق کو ختم کر کے واضح کیا ہے۔ شریعت کی پابندی ہر حال لازمی ہے اور مسلمان کسی صورت بھی اس سے بری نہیں ہو سکتا۔ آپ" نے سلسلے کا نام توحیدیہ صرف اس لئے رکھا کہ اس سلسلہ میں شامل ہونے والے ہر وقت توحید کو مقدم رکھیں اور ان پر توحیدی رنگ غالب رہے اور وہ شرک سے دور رہیں تصوف کی تاریخ میں یہ وہ تجدیدی کارنامہ ہے جو آپ نے سرانجام دیا۔

آئینہ قلب اور اخلاق

(امام محمد الغزالیؒ)

یہ جاننا چاہیئے کہ آدمی کا باطنی لشکر کے ساتھ ایک تعلق ہے۔ ہر لشکر کے ساتھ ایک تعلق ہے۔ ہر لشکر کے سبب آدمی میں ایک مخصوص صفت کا اظہار ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض اخلاق برے ہیں جو آدمی کو تباہ کر دیتے ہیں اور بعض اچھے جو اسے نیک بختی کے مقام پر فائز کر دیتے ہیں۔ یہ اخلاق ہیں تو بہت لیکن مجموعی طور پر ان کی چار اقسام ہیں۔ چارپایوں کے اخلاق' درندوں کے اخلاق' شیطانوں کے اخلاق اور فرشتوں کے اخلاق۔ چونکہ آدمی میں لالچ اور ہوس ہے اس لئے وہ چارپایوں جیسے کام کرتا ہے۔ مثلاً" مارنا اور مار ڈالنا" گالی گلوچ' ہاتھاپائی۔ اور حیلہ و مکر کے ذریعے لوگوں کے درمیان فساد ڈالنے کی عادت اس میں ہے اس وجہ سے وہ شیطانوں جیسے کام کرتا ہے۔ اس میں عقل و شعور موجود ہے اور اس وجہ سے وہ فرشتوں کے سے کام کرتا ہے۔ مثلاً" علم سے پیار' برے کاموں سے پرہیز' لوگوں کی بھلائی کی خواہش' مکروہ اور گھٹیا کاموں سے بچنا تاکہ عزت محفوظ رہے' حق کو پہچان کر خوش ہونا اور جہالت و نادانی کو عیب جاننا۔ اگر مزید غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ آدمی کی طبیعت میں چار صفات بڑی واضح ہیں وہ کتاپن' سورپن' شطنیت اور ملکیت ہیں۔ کتا اپنی صورت کی وجہ سے برا نہیں بلکہ اپنی عادات کی وجہ سے برا ہے کہ آدمیوں سے الجھ جاتا ہے بلکہ اپنے ہم جنسوں کو دیکھ کر چلانا اور چیخنا شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح سور بھی اپنی صورت کے اعتبار سے برا نہیں بلکہ اس وجہ سے برا ہے کہ ناپاک اور گندی چیزوں کی طمع رکھتا ہے۔ اسی طرح شیطنیت اور ملکیت کے یہی معنی ہیں۔ آدمی کے لئے حکم یہ ہے کہ عقل کا نور جو فرشتوں کے انوار و آثار سے ہے اس کی بدولت شیطان کا مکرو فریب پہچانے اور رسوائی کے کاموں سے بچے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر آدمی پر ایک شیطان مسلط ہے حتیٰ کہ میرے ساتھ بھی ایک شیطان ہے لیکن میرے اللہ نے اس پر مجھے غلبہ عطا فرمایا اور وہ مغلوب ہو گیا اب وہ مجھے برائی کا حکم نہیں دے سکتا۔

اسی طرح ہر آدمی کو چاہیئے کہ لالچ اور ہوس کے سور اور غصہ کے کتے کو قابو میں رکھے اور عقل کو ان پر حاکم بنائے۔ جب آدمی ایسا کریگا تو اس کو اچھے اخلاق حاصل ہونگے اور اسے سعادت نصیب ہو گی۔ اگر ایسا نہیں کریگا اور خود انکا محکوم ہو جاہے گا تو برے اخلاق سے دوچار ہو کر بدبخت قرار پائے گا۔

اگر لوگ انصاف سے کام لیں اور سوچیں تو انہیں معلوم ہو گا کہ وہ دن رات اپنے نفس کی خواہشات کا شکار ہیں اور گو کہ وہ ظاہر میں آدمی کے مشابہ ہیں لیکن روز حشر یہ راز کھلے گا اور ظاہر و باطن

یکساں ہوں گے۔ جن پر تو خواہش اور لالچ غالب ہیں لوگ انہیں سور کی شکل میں دیکھیں گے اور جن پر غصہ غالب ہے وہ کتے یا بھیڑیے کی شکل میں ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے بھیڑیے کو خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ یہ شخص ظالم ہے اور اگر کسی نے سور کو خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر نجس و ناپاک آدمی سے ہوگی۔ کیونکہ نیند موت کی بہن ہے اور نیند کے سبب اس جہان سے جتنا دور ہو گا اسی نسبت سے صورت سیرت کے مطابق ہوگی اور ہر شخص کو ویسے ہی دیکھے گا جیسا اس کا باطن ہو گا۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ باطن میں حکم دینے والے موجود ہیں تو اب اپنی حرکات و سکنات کو دیکھ کر چاروں میں سے تو کسی کا تابع ہے اور تیری عادات پر کسی کا غلبہ ہے۔ تو یقین کر لے کہ تو جو بھی حرکت کرے گا اس سے تیرے دل میں ایک صفت پیدا ہو جائے گی اور آخرت میں وہ تیری مصاحب و رفیق ہو گی۔ اگر تو خواہش کے سور کا مطیع ہے تو پلیدی' بے حیائی' لالچ' خوشامد' گندگی' دوسرے کی برائی پر خوش ہونا جیسی صفات پیدا ہوگی۔ اگر تو اس سور کو دبانے اور قابو کرنے میں کامیاب ہو گیا تو قناعت' حیا' شرم' دانائی' پارسائی اور بے طمعی جیسی صفات پیدا ہوں گی۔ اگر تو غضب کے کتے کا تابع ہو گیا تو نڈر ہونا' ناپاکی' بڑا بول بولنا' غرور و تکبر' خود نمائی' طنز و تمسخر' دوسروں کو حقیر جاننا' لوگوں سے الجھنا اور لڑنا جیسی باتیں تیرے اندر پیدا ہو جائیں گی اور اگر تو اس کتے کو قابو میں رکھ سکا تو صبر' بردباری' درگذر' استقلال' بہادری' سکوت اور بزرگی جیسے اوصاف تیرے اندر نمایاں ہوں گے۔

اگر تو اس شیطان کی اطاعت کرے گا جس کا کام کتے اور سور کو ورغلا کر دلیر کرنا اور مکر سکھانا ہے تو دھوکہ دینا' خیانت کرنا اور جعل سازی جیسے اوصاف خبیثہ تیرے اندر پیدا ہوں گے۔ اگر تو نے اس کو زیر کر لیا اور عقل کے لشکر کی مدد کرتا رہا تو دانائی' معرفت' علم' حکمت' صلاحیت' حسن اخلاق اور بزرگی جیسی صفات پیدا ہوں گی اور تیری نیک بختی کا بیج ثابت ہوں گی۔ جن کاموں سے برے اخلاق پیدا ہوتے ہیں انہیں گناہ کہتے ہیں۔ آپ یوں سمجھئے کہ دل ایک روشن آئینہ ہے اور برے اخلاق دھواں اور تاریکی ہیں۔ ان کے اثرات سے آئینہ دل تاریک و سیاہ ہو جاتا ہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دیدار سے ایسا انسان محروم رہے گا۔ نیک اخلاق روشنی اور نور کی مانند ہیں جو آئینہ قلب کو اجلا کر دیتے ہیں۔ جناب رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اتبع السیه الحسنه تمحها

یعنی ہر برائی کے بعد نیکی کی جائے تاکہ برائی کا اثر ختم ہو جائے اور اس کا اثر مٹا دے۔ قیامت کے دن آدمی کا دل یا تو روشن ہو گا یا تاریک۔ قرآن کریم کے مطابق نجات صرف اسے نصیب ہوگی جو قلب سلیم یعنی شرک اور گناہوں کی تاریکی سے پاک دل لے کر آئے گا۔ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ برے اعمال کے سبب دلوں پر زنگ لگ جاتا ہے۔ (مرسلہ شیخ محمد اسلم)

جہد و جہاد اور اجتہاد

عبدالعزیز خالد

حضور سرور انام ﷺ نے ہر ژوف نگاہ' صاحب فکر و نظر کو اجتہاد کا مکلف ٹھہرایا ہے' اپنی طاقت و توفیق کے مطابق۔ جن چیدہ و برگزیدہ اولوالالباب افراد بشر کو قدرت نے عامتہ الناس کے مقابل دل و دماغ کی بلند و برتر صلاحیتوں سے بہرہ ور کر کے احکام کے استنباط کی فراواں دستگاہ عطا کی ہو' اسباب و علل اور اغراض و مصالح کی تفہیم پر قادر مذاق سلیم و ذہن رسا بخشا ہو' ان پر فرض ہے کہ وہ اساسیات اسلام کی روشنی میں اپنے اپنے زمانے کے حالات اور تقاضوں کے مطابق امت مسلمہ کو درپیش نو بنو مسائل کا حل دریافت کریں۔ عدل و انصاف' تناسب و توازن اور مفاد و مصلحت عامہ کو مد نظر رکھتے ہوئے۔۔۔ کیونکہ یہ کائنات' یہ سلسلہ حیات و ممات ایک مسلسل تخلیقی عمل کا حصہ ہے۔ اس کا خالق "ہر روز نئی آن' نئی شان میں ہے"

اس تخلیقی عمل کے عرفان و ادراک کے لئے ان زرخیز اور نکتہ رس ذہنوں کی ضرورت ہے' جو طبعاً" تقلید و اتباع سے گریزاں ہوں اور اپنی انفرادی سوچ' سمجھ اور طبائع و فطانت کو کام میں لا کر اپنی خرد مندی و خرد افروزی کا ثبوت دیں۔

قدرت کاملہ نے تکوینیات کے علاوہ تشریحات میں بھی بہت سے خانے خالی چھوڑ دیئے ہیں تاکہ فکر انسانی جامد ہو کر نہ رہ جائے۔ اسے بنے بنائے' ڈھلے ڈھلائے جوابات ہی کی عادت نہ پڑ جائے۔ ابن بشر کو اپنے صاحب ارادہ و اختیار ہونے کا احساس ہو۔ وہ خود کو آزادی فکر و عمل کا حامل سمجھے۔ قدرت کو مجبور' مجہول' تابع مہمل اور میکانکی انسانوں کی نہیں بلکہ خوددار' خود مختار اور خود آگاہ ابنائے آدم کی تلاش ہے' جو زمین پر خدا کی نیابت کے گوناگوں فرائض سے احسن طریقے سے عہدہ برآ ہو سکیں۔

مگر اجتہاد کے دائرہ کار و اختیار سے عبادات و معتقدات خارج ہیں۔ اگر کسی معاملے میں کوئی ناطق نص' کوئی محکم آیت وارد ہے' حضور ﷺ کی کوئی قولی' فعلی یا تقریری قطعی الثبوت اور واضح الدلالت حدیث و سنت موجود ہے۔ بلا امکان اشتباہ' بلا احتمال التباس تو اسے بلا حجت و تکرار قبول کرنا ہو گا۔ دین میں من مانی بڑھوتری جو دین کے مزاج کے منافی ہو' بدعت کی ذیل میں آتی ہے' جسے

حضور ﷺ نے آگ کا ایندھن قرار دیا ہے۔ اجتہاد کا دائرہ معاملات ہیں۔ یعنی دنیاوی امور جو ہر زمانے میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں جو رسم و رواج کے پابند اور عرف و عادت کی پیداوار ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ کا فرمان عالی ہے کہ "میری دو حیثیتیں ہیں' ایک رسول ﷺ کی اور دوسری بشر کی" رسول ﷺ کی حیثیت سے من و عن واجب الاتباع ہے۔ اسمیں چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ لیکن جہاں تک بشری حیثیت کا تعلق ہے' اپنے دنیاوی امور کو تم مجھ سے بہتر جانتے بوجھتے ہو اور ان میں مختار مطلق ہو۔ یہی آزادی فکر ورائے ہے' یہی احترام آدمیت اور پاس انفرادیت ہے۔ جو اسلام کو خدا کی نعمت اور اسے قیام حشر تک انسانیت کے لئے فلاح ورستگاری کا خدائی منشور اور دنیا و آخرت میں کامیابی و سرخروئی کا نصاب و نسخہ بناتا ہے۔

جو امور و قضایا عبادات کے دائرے سے باہر ہیں' جن کا تعلق ہمارے دنیوی کاموں سے معاش و معاشرت سے' ہماری ہیئت اجتماعی سے ہے' ان میں ہم آزاد ہیں کہ انہیں نئے علوم و معارف' نئی ایجادات و اختراعات' نئی حقیقتوں اور بصیرتوں کی روشنی میں حق و باطل اور خیر و شر کے پیمانوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس نہج پر طے کریں کہ اس میں زیادہ سے زیادہ بنی نوع کی بھلائی پیش نظر ہو۔ سماج کا جملہ شعبوں میں باہم دگر ربط و توازن پیدا ہو۔ اس عمل میں عقل ہماری خضر راہ ہونی چاہئے۔ امام ابن تیمہؒ کے بقول "شریعت اسلامی کی راجح روایت ہمیشہ عقلی فیصلے کے مطابق ہوتی ہے" اس قول کی توثیق و توضیح ان کے شاگرد امام ابن قیمؒ نے یوں کی "فقہا نے اپنے اپنے حالات اور عرف کے مطابق اجتہاد کیا' اب حالات کے تقاضے اور ان کی نوعیتیں مختلف ہیں۔ عرف بدل چکے ہیں اور نئی تہذیب و تمدن اور اس کی بوقلمونیت نے بہت سی نئی مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں۔ ان حالات میں گذشتہ صدیوں کے فقہا کے اجتہادی احکام ہو بہو نافذ کرنا نہ ممکن ہے نہ قرین صواب" احکام کی تبدیلی' اختلاف زمان و مکان' احوال و مصالح اور معاشرے کے تحول و تغیر کے ساتھ وابستہ ہے" صحابہ کبار اور آئمہ فقہ تو کسی کے مقلد نہ تھے۔ وہ تو مسائل زندگی کا حل سوچتے تھے"۔ اسی سوچ سے حکومت عثمانیہ نے تجارتی ضروریات اور معاشرت کے بدلتے ہوئے حالات کے باعث اپنے قانون تعزیرات سے قطع ید اور کوڑوں کی سزا کو القط کر دیا اور حرمت سود سے صرف نظر کرتے ہوئے وہ فائدہ' جو مروجہ تجارتی لین دین سے فریقین کو ملے' جائز قرار دے دیا۔

یہ ایک مثال اس جبر حالات کی ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات۔۔۔۔ ضرورتیں ممنوع

کاموں کو جائز قرار دے دیتی ہیں۔ امام احمد بن حنبل" کا قول ہے۔ "ہماری تقلید نہ کرو بلکہ جن ماخذوں سے ہم نے لیا تم بھی وہیں سے لو" امام مالک بن انس صاحب "موطا" کی طرح سب اماموں کا یہی مسلک ہے کہ ہم جمہور کو اپنی تقلید پر مجبور کر کے ان کے افعال کی تمام تر ذمہ داری اپنے اوپر کیوں لیں؟

ملت بیضا کی زبوں حالی اور درماندگی کا ایک بڑا باعث حکومت کا لوگوں کے مذہبی عقائد، عقلی اشتغال اور علمی مشاغل سے خواہ مخواہ کا تعرض ہے، حکومت کا کام عدل و انصاف کا قیام اور امن و سلامتی کا انتظام ہے، مگر اپنے فرائض و واجبات کو بھول کر وہ عوام الناس کو ذہنی طور پر دبانے، دماغی طور پر محروم و معطل کرنے پر اپنی طاقتیں صرف کرتی رہیں اور کرتی ہیں۔ زندگی کا لطف یک رنگی میں نہیں رنگا رنگی میں ہے۔ جمود میں نہیں جولانی میں ہے۔ انجماد میں نہیں تسلسل و متحرک میں ہے۔

"خلفائے بنو امیہ اور بنو عباس ہمیشہ ان مذاہب کی مخالفت کرتے رہتے تھے، جو ان کے ذاتی عقائد اور سیاسی مفاد کے خلاف ہوتے تھے۔ اگر امام مالک منع نہ کر دیتے تو خلیفہ ابو منصور اور ہارون الرشید نے یہ عزم کر ہی لیا تھا کہ لوگوں کو مذہب امام مالک کی تقلید پر آمادہ بلکہ مجبور کریں۔ اس طرح فاطمیوں نے مذہب شیعہ اسماعیلیہ، یمنیوں نے مذہب شیعہ زیدیہ، وہابیوں نے مذہب حنبلی اور عثمانیوں نے مذہب حنفی پھیلانے کی کوشش کی"

جو لوگ ان مذاہب فقہ کے پیرو ہیں، اصول تلفیق کے تحت ان سب کو یہ غیر مشروط اذن ہونا چاہئے کہ وہ ان سب فقہی مسلکوں سے بیک وقت حسب منشاء استفادہ کر سکیں۔ اس سے آپس کی منافرت و مخاصمت، مفاہمت و مصالحت سے بدلے گی۔ جماعتی تعصب اور گروہی عصبیت میں کمی آئے گی اور اس میل ملاپ سے فوز و فلاح کے ایک نئے دور کا آغاز ہو گا۔ جس سے شاید

نفس سوختہ ء شام و سحر تازہ ہوا

(مشکریہ روزنامہ نوائے وقت)

(26-7-99)

ا کو جائز قرار دے دیتی ہیں۔ امام احمد بن حنبل" کا قول ہے۔ "ہماری تقلید نہ کرو بلکہ جن
ا سے ہم نے لیا تم بھی وہیں سے لو" امام مالک بن انس صاحب "موطا" کی طرح سب اماموں
سلک ہے کہ ہم جمہور کو اپنی تقلید پر مجبور کر کے ان کے افعال کی تمام تر ذمہ داری اپنے اوپر
ں؟

ت بیضا کی زبوں حالی اور درماندگی کا ایک بڑا باعث حکومت کا لوگوں کے مذہبی عقائد، عقلی
ر علمی مشاغل سے خواہ مخواہ کا تعرض ہے، حکومت کا کام عدل و انصاف کا قیام اور امن و
نتظام ہے، مگر اپنے فرائض و واجبات کو بھول کر وہ عوام الناس کو ذہنی طور پر دباتے، دماغی
م و معطل کرنے پر اپنی طاقتیں صرف کرتی رہیں اور کرتی ہیں۔ زندگی کا لطف یک رنگی
نگارنگی میں ہے۔ جمود میں نہیں جولانی میں ہے۔ انجماد میں نہیں تسلسل و متحرک میں

ئے بنو امیہ اور بنو عباس ہمیشہ ان مذاہب کی مخالفت کرتے رہتے تھے، جو ان کے ذاتی
سی مفاد کے خلاف ہوتے تھے۔ اگر امام مالک منع نہ کر دیتے تو خلیفہ ابو منصور اور
نے یہ عزم کر ہی لیا تھا کہ لوگوں کو مذہب امام مالک کی تقلید پر آمادہ بلکہ مجبور کریں۔
ں نے مذہب شیعہ اسماعیلیہ، یمنیوں نے مذہب شیعہ زیدیہ، دہابیوں نے مذہب حنبلی
مذہب حنفی پھیلانے کی کوشش کی۔"

، مذاہب فقہ کے پیرو ہیں، اصول تلفیق کے تحت ان سب کو یہ غیر مشروط اذن ہونا
ب فقہی مسلکوں سے بیک وقت حسب منشاء استفادہ کر سکیں۔ اس سے آپس کی
، مفاہمت و مصالحت سے بدلے گی۔ جماعتی تعصب اور گروہی عصبیت میں کمی
ل ملاپ سے فوز و فلاح کے ایک نئے دور کا آغاز ہو گا۔ جس سے شاید

ں سوختہ ء شام و سحر تازہ ہوا!

(بشکریہ روزنامہ نوائے وقت)

(26-7-99)

نور الدین ڈرکی (امریکہ)

(ڈاکٹر عبدالغنی فاروق)

42 سالہ امریکی نور الدین ڈرکی کا آبائی نام سٹیفن ڈرکی تھا۔ انہوں نے 33 برس کی عمر میں اسلام قبول کیا اور آج وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور پر جوش مبلغ اسلام ہیں۔ وہ امریکہ میں اسلام کی اشاعت کا بھرپور عزم رکھتے ہیں اور اس سلسلے میں ایک انوکھے اور منفرد تجربے میں مصروف ہیں۔ انہوں نے میکسیکو کے مضافات میں ایک ہزار ایکڑ پر مشتمل اسلامی بستی آباد کرنے کا منصوبہ تیار کیا ہے اور تعمیرات کا باقاعدہ آغاز بھی کر دیا ہے۔ اس منصوبے میں مسجد، مدرسہ، مکانات اور دکانیں شامل ہیں۔ مسجد کی تعمیر مکمل ہونے والی ہے جو خوبصورت گنبدوں اور شاندار میناروں کے ساتھ روایتی شان و شوکت سے سر اٹھائے کھڑی ہے۔

چھ فٹ چار انچ کے بلند قامت اور مسحور کن شخصیت کے حامل نور الدین نیو میکسیکو کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوئے اور سات برس کی عمر سے تعلیم کا آغاز نیو یارک کے ایک اعلیٰ درجے کے کیتھولک اسکول سے کیا۔ تعلیم کی تکمیل تک وہ نہ تو اسلام کے بارے میں کچھ جانتے تھے نہ عربی زبان کے کسی لفظ سے شناسا تھے۔ لیکن خوش قسمتی انہیں سیاحت کے سلسلے میں مشرق وسطیٰ لے آئی۔ یہاں انہیں مسلمانوں سے براہ راست ملنے جلنے اور مسلم معاشرے کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملا تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ آج کی خود غرض اور مفاد پرست مغربی دنیا کے مقابلے میں مسلم معاشرے میں کہیں زیادہ بے لوثی اور اخلاص پایا جاتا ہے۔ ان کی روایت ہے "میں اس سفر میں جس جس مسلم ملک میں گیا اور جس علاقے میں پہنچا، میرا تجربہ رہا کہ جب وہاں کے لوگ دیکھتے کہ ہمارے پاس فری تھیلوں میں مختصر سا سامان ہے، کھانا تیار کرنے کے لئے ضرورت کی چیزیں موجود نہیں ہیں تو وہ بلا تاخیر اپنے گھروں سے ہمارے لئے کھانا لے کر آتے اور ہماری میزبانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ اس محبت اور خلوص کا کوئی تصور مغربی معاشرے میں نہیں کیا جا سکتا۔ اپنے اس تجربے سے مجھے احساس ہوا کہ مسلمان آج بھی دنیا کے بہترین لوگ ہیں"۔

مسلمانوں کی مہمان نوازی نے نور الدین کے دل میں جواب تک سٹیفن ڈرکی تھے، مسلمانوں اور اس کے حوالے سے شاید اسلام کے لئے بھی نرم گوشہ پیدا کر دیا، مگر وہ ابھی اسلام کو اپنا لینے اور اپنی زندگی کا نصب العین بنا لینے کے لئے تیار نہ تھے۔ اسلام سے تفصیلی تعارف کا موقع بھی انہیں محض حسن اتفاق سے میسر آ گیا اور یہ ان کی زندگی کا سب سے خوشگوار واقعہ تھا۔

مشرق وسطیٰ کے سفر کے دوران، دریائے اردن کے مغربی کنارے پر جبل زیتون کے علاقے میں وہ

ایک بس پر سوار ہوئے۔ اچانک ان کی نظریں ایک شخص سے چار ہوئیں اور دونوں کو یوں لگا جیسے وہ آئنے کے سامنے کھڑے ہوں اور اپنی ہی شکل دیکھ رہے ہوں۔ سرخ داڑھی' سرخ بال' چہرے کے خطوط بڑی حد تک ملتے جلتے' یکساں قدو قامت۔ اس حسن اتفاق پر دونوں پہلے تو حیرت زدہ رہ گئے۔ پھر بے ساختہ ہنس پڑے۔ دوسرے صاحب فلسطین کی ایک مذہبی عدالت کے جج تھے اور تھوڑی بہت انگریزی بول لیتے تھے۔ سٹیفن بھی عربی کے دو چار جملے بولنے لگے تھے۔

ابتدائی تعارف کے بعد جج صاحب نے ڈرکی کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ ان کی روح پیاسی تو تھی ہی' انہوں نے جھٹ اس دعوت کو قبول کیا اور دوسرے دن جج صاحب کے مکان پر پہنچ گئے۔ ایک ترجمان بھی ہمراہ تھا جو عیسائی تھا۔ اس کی موجودگی میں سٹیفن ڈرکی نے محسوس کیا کہ اسلام کے بارے میں بے تکلفی سے گفتگو نہیں ہو سکتی' لہٰذا انہوں نے ایک ایسے مسلمان ترجمان کا انتظام کیا جو مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ ان تینوں کی محفلیں جمنے لگیں اور مسلمان جج نے ڈرکی کو اسلام کے بارے میں بنیادی باتیں اور ان کی تفصیلات بتانی شروع کیں۔ ڈرکی کا دل حق کی تلاش میں تھا۔ سچائی کا پیغام ان کے دل میں گھر کرتا چلا گیا اور وہ بہت جلد سٹیفن سے نورالدین بن گئے۔

ڈرکی خود تو حق کی راہ کو پا گئے' لیکن ابھی ان کے ذہن میں اس سچائی کو اپنے ملک میں عام کرنے کا کوئی خاکہ نہ تھا۔ کئی سال بعد یہ منصوبہ بھی حسن اتفاق کے نتیجے میں وجود میں آیا۔ ان دنوں وہ مکہ معظمہ کے ایک مذہبی کالج میں زیر تعلیم تھے۔ ایک رات زبردست طوفان بادوباراں نے شہر کی روشنیاں گل کر دیں۔ کالج جلدی بند ہو گیا تو نورالدین اپنی قیام گاہ کو چل دیئے۔ نماز عشاء کا وقت ہو چکا تھا۔ وہ فریضہ عبدیت بجا لانے کے لئے ایک مسجد میں داخل ہوئے وہاں سہل کہانی نامی ایک دردمند مخلص عرب مسلمان بھی نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے ایک امریکی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اشتیاق سے تعارف حاصل کیا پھر وہیں بیٹھ کر اللہ کے یہ دونوں بندے خدا کے دین کو پھیلانے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ اس کام میں اس کا انہماک اس قدر زیادہ تھا کہ انہیں وقت کا احساس ہی نہ رہا۔ انہیں گفتگو کرتے ہوئے چار گھنٹے گزر گئے تھے۔

سہل کہانی امریکہ کی ریاست میساچوسٹس کے ووسٹر پولی کلینک انسٹیٹیوٹ میں تعلیم پا چکے تھے۔ وہاں دوران قیام میں انہوں نے جو کچھ دیکھا اس کی بناء پر سمجھتے تھے کہ امریکی معاشرہ جس روحانی اضطراب میں مبتلا تھے 'اسلام ہی اس [illegible] ہے۔ آج نورالدین ڈرکی کے ساتھ وہ انہیں پہلوؤں پر گفتگو کرتے رہے۔

ادھر مسلمان ہونے کے بعد نورالدین ڈرکی اپنے سامنے دو ہی راستے پاتے تھے۔ ایک تو یہ کہ امریکہ کو خیرباد کہہ کر کسی اسلامی ملک میں مستقل سکونت اختیار کریں تاکہ اسلامی زندگی کے تقاضوں کو عملاً پورا کر سکیں یا پھر امریکہ ہی میں رہ کر اپنے طریقے کے مطابق اسلام کو پھیلانے کا کام کریں۔ انہوں نے بالآخر

دوسرا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

کئی ماہ کی گفتگوؤں کے بعد کہ امریکہ میں اسلام کو متعارف کرانے کا بہترین طریقہ کیا ہے کبانی اور ڈرکی اس متفقہ نتیجے تک پہنچے کہ انہیں امریکہ میں ایک مثالی بستی بسانی چاہئے۔ ان کی یہ سوچ بالکل درست تھی کہ آج تک اس ملک میں اسلام کو متعارف کرانے کے لئے جو بھی طریقے اختیار کئے گئے' وہ محض تبلیغی اور نظریاتی طریقے ہیں مثلاً مختلف جگہوں پر اسلامی وفود کا جانا' لوگوں سے ملاقاتیں کرنا' سیمینار اور کانفرنسوں کا انعقاد اور کتابوں کا تقسیم کرنا وغیرہ۔ لیکن یہ طریقے امریکیوں کے لئے زیادہ پرکشش ثابت نہیں ہو سکتے کہ امریکی فطرتاً مادی نقطہ نظر کے حامل ہیں۔ وہ ہر چیز کو محسوس اور عملی شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ محض نظری باتیں انہیں زیادہ متاثر نہیں کرتیں۔ پھر امریکہ کے بیشتر لوگوں کے نزدیک اسلام ایک بیرونی اور اجنبی بلکہ خطرناک چیز ہے اور یہ کہ اسلام کا ان کی اپنی زندگیوں سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں ہو سکتا۔

اس پس منظر میں جب کہ امریکیوں میں اسلام کو مقبول بنانے کے لئے محض نظریات کی دعوت بالکل ناکافی ہے' دونوں صاحبان نے فیصلہ کیا کہ امریکہ کے اندر کوئی خطہ زمین ایسا ہونا چاہئے جہاں لوگوں کو اسلام چلتا پھرتا نظر آئے تاکہ جو لوگ پوچھتے ہیں کہ اسلام کیا ہے اور عملاً اس کی شکل کیا ہوتی ہے' وہ اس بستی میں آکر اپنی آنکھوں سے اسلام اور اس کی برکتوں اور اخوت و رحمت کے اس نظام کی بے مثال خوبیوں کو مجسم اور متحرک دیکھ سکیں۔

اس فیصلے کے بعد ڈرکی اور کبانی نے اپنے امریکی اور عرب مسلمان دوستوں کے سامنے منصوبے کو پیش کیا اور اس کے لئے فنڈ قائم کیا۔ ڈرکی کی اہلیہ نے اس سلسلے میں دوڑ دھوپ کی اور اپنی دوست مسلم خواتین سے رقوم فراہم کیں۔ کاروباری لوگوں' ڈاکٹروں' وکلاء اور معاشرے کے دوسرے طبقوں سے تعلق رکھنے والے افراد سے رقوم حاصل کی گئیں لیکن سعودی عرب یا امریکی حکومت سے عطیہ وصول نہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور اس پر سختی سے عملدرآمد ہوا۔

اسلامی بستی بسانے کے لئے نیو میکسیو کا انتخاب اس لئے کیا گیا کہ یہاں اینگلو سیکسن ثقافت غالب نہیں۔ یہ خطہ تین مختلف تہذیبوں کا مرکز ہے۔ سپین کے لوگ بھی یہاں خاصی تعداد میں ہیں اور آج بھی ان پر عرب و اسلامی تہذیب کے اثرات موجود ہیں۔ یہاں امریکی انڈینز کی بھی خاصی تعداد ہے جن کی ایک الگ تہذیب ہے۔ یوں ڈرکی کے خیال میں یہاں کی فضا اسلامی تہذیب کے فروغ کے لئے بڑی سازگار ہے اور تین تہذیبوں کے اس خطے میں اسلامی تہذیب کے لئے نسبتاً زیادہ آسانی سے گنجائش نکل سکتی ہے۔

مارچ 1980ء میں دارالسلام فاؤنڈیشن نے ایک ہزار ایکڑ پر مشتمل ایک قطعہ زمین چودہ لاکھ ڈالر کے عوض خریدا اور یوں امریکہ میں اشاعت اسلام کے اس اچھوتے تجربے کا آغاز ہو گیا۔ ڈرکی کا دعویٰ ہے کہ اس ملک میں اسلام کی کامیابی کے امکانات نہایت روشن ہیں۔ دلیل ان کی یہ ہے کہ آج امریکہ میں

جو حالات ہیں اور امریکی معاشرہ جس تیزی سے انحطاط پذیر ہے' اس کی بنا پر اسلام اس کی ناگزیر صورت بن گیا ہے۔ اسلام ہی امریکہ کو تباہی سے بچا سکتا ہے اور جب امریکیوں کے سامنے یہ حقیقت منتشکل ہو کر آئے گی تو وہ لازماً" اسلام کی طرف رجوع کریں گے۔ ان کا کہنا ہے کہ امریکہ میں آج ہر لمحے قتل' ڈاکے' اغوا اور دیگر سنگین جرائم کا جو بازار گرم ہے یہ اس معاشرے کی تیزی سے روبہ زوال ہونے کی کھلی علامت ہے اور اسلام ہی ان تمام خرابیوں کا واحد علاج ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مکے میں مجھے کبھی پریشانی نہیں ہوئی تھی کہ میری بیوی اگر بازار گئی ہے تو وہاں سے بخیرت لوٹے گی یا نہیں اور میری بچی اسکول سے واپس آسکے گی یا راستے میں کسی جرائم پیشہ گروہ کے ہاتھوں اغوا ہو جائے گی۔ لیکن امریکہ میں نہ صرف مجھے بلکہ ہر فرد کو ہر لمحے یہ فکر پریشان کرتی رہتی ہے۔ یہاں کوئی اپنی بیوی اور بچی کے بارے میں بے فکر نہیں ہو سکتا۔ یہاں نہ کسی کی جان محفوظ ہے اور نہ مال و آبرو۔ یوں نور الدین ڈرکی اس پر آشوب ماحول میں دارالسلام کے نام سے امن و آشتی' روحانی و اخلاقی پاکیزگی' خلوص و محبت اور انسانیت کی اعلیٰ اقدار کا ایک پر سکون جزیرہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ انسان اگر آج بھی خدا کے بتائے ہوئے راستے پر چلے تو اسے اطمینان قلب کی وہ دولت نصیب ہو سکتی ہے' جس کا مادہ پرست دنیا میں کسی بلند سے بلند مقام تک پہنچ جانے کے باوجود آنا قطعی ناممکن ہے۔

دارالسلام کے اس منصوبے میں مسجد اور مدرسے کے علاوہ ایک شفاخانہ' دستکاریوں کی تربیت کا ایک مرکز' مسلم سائنس دانوں کے لئے ایک ریسرچ سنٹر اور سو خاندانوں کے لئے مکانات شامل ہیں۔ ان عمارتوں میں سے مسجد تقریباً" مکمل ہو چکی ہے۔ جب کہ باقی عمارتیں پلاننگ کے مرحلے میں ہیں۔ مسجد کی تعمیر کا کام گذشتہ برس جون میں شروع ہوا تھا۔ اس میں تقریباً" ڈیڑھ سو نمازیوں کی گنجائش ہے۔ اس کے ساتھ ایک ایک مدرسہ ہو گا اور یہ مسجد دراصل مدرسہ کے طلبہ اور اساتذہ کے لئے بنائی گئی ہے۔ پوری بستی کے لئے بہت بڑی مسجد کی تعمیر منصوبے میں شامل ہے۔

اس مثالی بستی میں بسنے والوں کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا جا رہا ہے۔ کوشش یہ ہے کہ ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے باعمل مسلمان یہاں آباد ہوں تاکہ ایک طرف ماحول صحیح معنوں میں اسلامی ہو اور دوسری جانب بستی کی تمام ضروریات مقامی طور پر پوری ہو سکیں۔ ان دنوں بورڈ آف دارالسلام فاؤنڈیشن نہایت احتیاط کے ساتھ امیدواروں کی درخواستوں کا جائزہ لے رہا ہے جو اس مثالی بستی میں آباد ہونا چاہتے ہیں۔ نور الدین ڈرکی کا کہنا ہے کہ اس سلسلے میں پورے امریکہ سے درخواستیں موصول ہو رہی ہیں اور یہ کہ اس بستی کے پورے طرح آباد ہونے کے بعد غیر مسلموں کو بھی یہاں رہنے کا موقع دیا جائے گا۔ ان کا عزم ہے کہ اسکیم کا ابتدائی مرحلہ مکمل ہو جائے تو پھر یہاں غیر مسلموں کے لئے سیمینار اور تعارفی پروگراموں کا ایک مستقل سلسلہ شروع کیا جائے گا تاکہ وہ دارالسلام آکر بیک وقت نظری اور عملی طور پر اسلام سے متعارف ہو سکیں۔

ترقی پسندی اور اجتہاد

(پروفیسر خواجہ رشید احمد)

جناب ڈاکٹر جاوید اقبال کا انٹرویو مورخہ 13 جولائی 2000ء جس میں آپ نے نئی صدی کے حوالے سے اجتہادی فکر کو اجاگر کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اس میں وہ حرکی طرز عمل کو اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اب ہم ان نئے نظریات کے ساتھ ہی آگے جاسکتے ہیں اگر کسی جگہ ہم نے ایسا نہ کیا تو اس کا مطلب ہو گا کہ ''ہم اپنے ماضی میں واپس چلے جائیں گے جب کہ واپس جانا ناممکن ہے''۔ ڈاکٹر صاحب کے اس انٹرویو کو پڑھ کر اجمالی طور پر یہ احساس ابھرتا ہے کہ شاید اسلامی تعلیمات اور قرآن و سنت ہماری مکمل رہنمائی اس حد تک نہیں کرتے کہ ہم جدید مسائل کا حل ان سے تلاش کر سکیں لیکن وہ اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ در آنے والے نئے نظریات بھی وقت کے ساتھ ساتھ ناکام ثابت ہوتے ہیں۔ انفرادی آزادی کا بے مادر پدر تصور سودی سرمایہ کاری کی بنیاد پر جمہوریت' سیکولرزم' نیشنلزم اور کمیونزم ایسے جدید نظریات تھے جو وقت کے ساتھ انسانی مسائل اور مصائب کا حل نہیں دے سکتے۔ جہاں تک ترکی کے ایک سیکولر سٹیٹ بننے کا تعلق ہے تو ڈاکٹر صاحب اس ضمن میں فرماتے ہیں ''اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ترک مسلمان نہیں رہے ترک مسلمان ہیں اور شاید دوسروں سے بہتر مسلمان ہیں۔۔۔۔ ترکی مساجد نمازیوں سے بھری ہوئی دیکھی ہیں۔ چنانچہ ترکی نے سارے کے سارے شرعی قوانین کو ختم کر دیا اور ایک سیکولر ریاست قائم کی'' ڈاکٹر صاحب کے خیال میں مسلمانوں میں آزادی کی جو تحریکیں اٹھیں وہ بنیاد پرستی کی وجہ سے ناکام ہوئیں لہٰذا ہم ہیومن پراگرس کا ساتھ دیتے ہیں قرآن کو Basis of Law نہ مانتے ہوئے اجتہاد کرنا چاہئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر ترقی کا ساتھ دینے کے لئے بنیادی اصول و قوانین کو چھوڑنا ہی ہے تو پھر اجتہاد جیسے پرانے طریقے کو اپنانے کی کیا ضرورت ہے اسلامی طریقے کے ذریعہ غیر اسلامی کام کرنا کیا معنی رکھتا ہے ترکی نے جو طریقہ اختیار کیا وہی اپنا لینا چاہئے۔

جہاں تک ان بنیاد پرستوں کی شکست کا تعلق ہے تو ڈاکٹر صاحب یہ بھی جانتے ہیں کہ افغانستان ''بنیاد پرستوں'' نے دنیا کی دوسری بڑی طاقت کو اپنی قربانیوں سے شکست دی ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ اسلام سائنسی علوم اور ضروریات کے تحت ترقی کے خلاف نہیں اور صدیوں مسلمان ہی

ترقی یافتہ رہے لیکن ترقی کا یہ مطلب نہیں کہ ہم دوسروں کی نقالی کو ترقی قرار دے دیں اور اپنی "خودی" اور اپنی انفرادیت کو سمندر میں ڈبو کر عجیب و غریب ملغوبے پیش کرتے رہیں اور اس کے لئے اجتہاد اور رائے کی بنیاد خواہشات پر نہیں رکھی جاتی۔ عوام الناس کے نعروں کا نام اجماع نہیں جس طرح محض عقل کی بنیاد پر کوئی نظریہ پیش کرنا دین میں رائے نہیں کہلاتی۔

تیسرا زاویہ نگاہ بھی ڈاکٹر صاحب کو پسند نہیں یعنی کے نئے نظریات کو اس حد تک قبول کیا جائے جہاں تک اسلام انہیں قبول کرتا ہے۔ گویا اس طرح ہم نے نئے نظریات کا عجیب و غریب ملغوبہ بنایا تھا اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب جو مثال پیش کرتے ہیں وہ ناقابل فہم ہے وہ فرماتے ہیں۔ "مغرب کے نزدیک نیشنلزم کی تعبیر یہ ہے کہ "انسانی اتحاد کا اصول مشترکہ زبان' مساوات اور نسل سے عبارت ہے تو ہم نے کہا ہم ان تین عناصر پر یقین نہیں رکھتے ہم مشترکہ روحانی اقدار پر یقین رکھتے ہیں"

معلوم ہونا چاہئے کہ دین و مذہب ہمیشہ روحانی اقدار کا داعی ہوتا ہے اور اسلام میں انسانی اتحاد کا جو اصول قرآن سے ثابت ہے ہم مسلمان ہونے کی بنیاد پر اسی میں یقین رکھتے ہیں اور وہ ہے عقیدہ توحید یہی وہ بنیادی عقیدہ ہے جو مساوات عدل اور تقویٰ کی بنیاد پر انسانی برتری کا قائل ہے ورنہ آدم کی اولاد ہونے کی حیثیت سے سیاہ و سفید میں کوئی فرق نہیں۔ لہٰذا مشترکہ زبان ناقابل حصول معاشی مساوات اور نسل و رنگ کی تفریق پر ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے یقین نہیں رکھ سکتے۔ البتہ عقیدہ توحید اور تعلیمات قرآن کی روشنی میں مساوات اور عدل میں یقین رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب جس قسم کے اجتہاد کو سراہتے ہیں وہ عوامی اجتہاد کہلا سکتا ہے وہ فرماتے ہیں "بیشتر علما (محمد علی جناح اور علامہ اقبال) کے نظریات سے اتفاق نہیں کرتے تھے" علامہ اقبال کو کسی حد تک مغرب زدہ کہہ سکتے ہیں اور یہ کہ بیشتر علماء قیام پاکستان کے مخالف تھے یا چند علماء محل نظر ہیں بہرحال ڈاکٹر صاحب نہ علماء کے اجتہاد کے قائل نظر آتے ہیں نہ علما کی خدمات کے۔ البتہ غنیمت ہے کہ وہ دو ہستیوں شاہ ولی اللہ اور مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمات کے قائل ہیں اور یہ بھی علماء ہی تھے جس سے معلوم ہوا کہ جید علماء مسائل کو حل کرنے کے لئے اجتہاد کے قائل تھے یہ بھی معلوم ہے کہ اجتہاد جید علما یا ان کا ادارہ ہی کرتا ہے۔ یہ درست ہے کہ پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے بجائے سیاستدان آپس میں لڑتے رہے اور ملک دو ٹکڑے ہو گیا لیکن ڈاکٹر صاحب پوچھتے ہیں کہ کونسے اسلام کو قابو نہ کرنے کی وجہ سے ملک دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس کا مختصر جواب یہ

ہے کہ وہ اسلام جس میں کرسی کے لالچی' بے کردار اور ہوس کے مارے ہوئے سیاستدان کی گنجائش نہیں۔ باکردار اور بے لوث ملک کی خدمات کرنے والے اور اسلام میں پختہ یقین رکھنے والے ہوتے ہیں تو ملک نہ ٹوٹتا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ خود مغربی تعلیم یافتہ طبقہ اور بے کردار سیاستدان ہی اس ملک کے حقیقی مقصد کے حصول میں بڑی روکاٹ بنتے رہے ہیں۔ جہاں تک فرقوں اور تقلید کے مسئلہ کا تعلق ہے تو تقلید کا یہ مطلب نہیں کہ اجتہاد کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں شاہ ولی اللہ اور مولانا اشرف علی تھانوی اہل سنت والجماعت حنفی مذہب رکھتے تھے اور اجتہاد کے قائل بھی تھے اور کرتے بھی تھے البتہ اجتہاد کو بازیچہ اطفال نہیں سمجھتے تھے اور نہ عوام الناس کو اس کا اہل سمجھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اجتہاد کی بنیاد قرآن و حدیث اجماع علماء اور متقی مستند علماء کی رائے کو سمجھتے تھے۔

ایک اور چیز جس کے بارے میں صاحب علم ترقی کے خواہش مند حضرات کو فیصلہ کر لینا چاہیے یہ ہے کہ آیا اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے یا نہیں کیا ہر دور میں مسائل کے لحاظ سے قرآن و سنت و اجماع کے ذریعہ ہمیں ہدایت کا سامان ملے گا یا نہیں۔ کیا مسلمان ایک منفرد اور خدائی پیغام کی حامل امت ہے یا نہیں۔ کیا خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تم بہترین امت ہو جو انسانوں کی ہدایت کے لئے کھڑی کی گئی ہے کچھ معنی رکھتا ہے یا نہیں۔ کیا حضور ﷺ کے اس فرمان کی روشنی میں جس نے کسی قوم کی تقلید کی وہ انہی میں سے ہے۔

اگر ہماری کوئی خودی ہے ہم کوئی انفرادیت رکھتے ہیں ہمارے سلف نے بہترین نمونے دیئے ہیں تو ہمیں ان کو بنیاد بنا کر متعین کردہ بنیادوں پر ہی اجتہاد کرنا ہو گا۔ قرآن و سنت کو ماننے والے اپنے آپ کو ماضی سے کاٹ کر درخت کی جڑیں کاٹ کر اپنے مسائل حل نہیں کر سکتے۔ درخت کی جڑوں کا تعلق ماضی سے ہوتا ہے اور مضبوط جڑوں والے درخت ہی بدیر قائم رہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا اسلامی نظام حکومت کے بارے میں یہ فرمانا کہ صرف ساٹھ سال ہی خلافت قائم رہی گویا یہ کہنا ہے کہ اسلام اس ضمن میں ناکام رہا۔ حالانکہ اسلامی احکامات پر بے عملی نے یہ صورت حال پیدا کی۔ البتہ ہمیں کتاب و سنت و ابو بکرؓ' عمرؓ' عثمانؓ' علیؓ کے ماڈل دور سے رہنما اصول اور بنیادیں سبھی کچھ مل جاتا ہے۔ جدید جمہوریت نے انسان کو خدائی کا درجہ دے دیا ہے جب کہ اسلام جمہوریت کی اعلیٰ ترین صورت پیش کرتا ہے کہ کوئی انسان کسی کا آقا و مولا نہیں۔ جمہوریت میں عوامی نمائندے پراپگنڈے کے زور پر برسر اقتدار آتے ہیں اور خلافت میں تقویٰ و علم کی بنیاد پر۔

خلافت میں دین و دنیا کو دو الگ حصوں میں تقسیم کرکے انسانوں کے اخلاق کے اہم مسئلہ کو نظرانداز نہیں کیا جاتا جب کہ جمہوریت میں کلیسا و حکومت دو الگ الگ اجزا ہیں (یہی کچھ ترکی میں کیا گیا) جدید جمہوری نظام دولت کے گرد گھومتا ہے۔ جب کہ خلافت الہیہ میں نفوذ احکام الہیہ کے ذریعہ انسانوں کی مساوات' عدل' خدمت' عبادت و نفاذ زکوۃ وغیرہ کے ذریعے کردار کو اہمیت حاصل ہے۔ خلافت ایک شورائی نظام ہے جس میں اظہار رائے کی آزادی ہے۔ جب کہ جدید طرز کی مغربی جمہوریت میں اگر پارٹی اکثریت میں ہے تو وہ عموماً" اقلیت کی پرواہ نہیں کرتی۔

فی زمانہ چونکہ ہمیں خلافت کے لفظ میں اپنے کردار و عمل کی وجہ سے اجنبیت محسوس ہوتی ہے اور مغربی طرز زندگی اور طرز حکومت ہمیں مرعوب کئے ہوئے ہے لیکن ہمیں اتنا جان لینا چاہئے کہ طرز حکومت اسلامی ہدایات کے مطابق اختیار کرکے ہم اپنی انفرادیت اور عالمگیر اخوت کو برقرار رکھ سکیں گے۔ ہمیں اپنے ماضی سے رابطہ رکھ کر آگے بڑھنا ہے اپنے ماضی سے ڈرنے کی بجائے اپنے ماضی سے حوصلہ لینا ہے۔ جہاں تک مسئلہ تقلید کا تعلق ہے تو پروفیسر عثمان کے ایک مضمون کے جواب میں میرا ایک مضمون نوائے وقت میں شائع ہوا اسی سے ایک عبارت پیش کرتا ہوں جس سے تقلید کے اصل معنی پر روشنی پڑے گی۔

" تقلید آئمہ کا مطلب ہے کہ جن مسائل میں قرآن و حدیث میں واضح احکام نہ ہوں یا متعارض باتیں معلوم ہوں اس مسئلہ پر کسی مستند متقی عالم دین (شریعت و دین سے کماحقہ واقفیت رکھنے والا) کی پیروی کرے۔ آئمہ دین کی پیروی کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن و حدیث کو چھوڑ دیا گیا ہے یا آئمہ کو قرآن و حدیث پر فوقیت دی گئی ہے۔ یہ سوچ و فکر رکھنے والوں کے لئے سوچ کے دروازے بند کردئے گئے ہیں۔ یا مستند اور متقی عالم (EXPERT) کو تشریح و تفسیر کا حق نہیں رہا۔ سینکڑوں مقلدین نے کسی امام کی تقلید کرنے کے باوجود قرآن کی تفسیریں اور احادیث کی شروح لکھی ہیں"

اجتہاد کے لئے تو تقلید یا عدم تقلید کا مسئلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ بنیادی طور پر اجتہاد ہوتا ہی ان معاملات میں ہے جس میں قرآن سنت میں کوئی واضح ہدایت موجود نہ ہو یا نئے حالات ان ہدایات کو مزید وضاحت چاہتے ہوں جیسے سود اور بینک کاری کا مسئلہ کہ سود تو واضح طور پر حرام ہے لیکن جدید بینکاری سے اس کو ختم کرنا جیسے اسلامی نظام حکومت میں بنیادی چیز نفاذ شریعت اور اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کو قائم کرنا ہے لیکن طرز حکومت جو خلافت کے نقش قدم پر ہو۔ بہت سے ترقی پسند

قرآن کو اساطیر الاولین قرار دے کر حالات زمانہ' ترقی' رواج و عادات کو ماخذ اجتہاد جدید قرار دینا چاہتے ہیں جیسا ترکی میں کیا گیا۔ اصول دین کو حالات و ترقی کی وجہ سے تبدیل نہیں کیا جاسکتا یہ ابدی و لازوال احکام الٰہی ہیں ان کے ذریعے حالات اور معاملات کو درست کیا جاسکتا ہے۔ سود کا رواج اس چیز کا متقضی نہیں کہ اب ماڈرن اجتہاد کے ذریعہ اس کو جائز قرار دے دیا جائے بلکہ سود کو مٹا کر کاروبار کے راستے نفع اندوزی کا راستہ نکالنا خود ان لوگوں کا کام ہے جو بنک کاری کر رہے ہیں۔ کسی مشکل کی صورت میں جب کہ کوئی شرعی ضرورت واضح ہو دینی ادارے رہنمائی کے لئے آگے آسکتے ہیں۔ اصل مسئلہ اجتہاد کا نہیں احکام الٰہی کے نفاذ کا ہے اس کے لئے نیت و ارادے کے موجود ہونے کا ہے۔ سیاستدانوں اور معیشت دانوں کو اگر شرعی احکام پر ہی اعتماد نہ ہو تو ان کے نفاذ میں ہزاروں رکاوٹیں نظر آئیں گی۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب سے گزارش کروں گا کہ اسلام اس درجہ میں ایک انقلابی دین ہے کہ ماضی سے تعلق قائم رکھتے ہوئے حالات و رواج و عادات معاملات میں تبدیلیاں پیدا کرنے کا اہل ہے نہ کہ اتنا کمزور کہ حالات و معاملات اس کو محض ایک رسمی دین بنا دیں۔ ہمارے لئے اجتہاد کے ماخذ قرآن و حدیث ہیں نہ کہ ترقی کے نئے نمونے۔ بہت سے ترقی پسند تو اتنے آگے چلے گئے ہیں کہ انہوں نے قرآن و حدیث کو ماخذ ماننے سے انکار کر دیا تو ایسے میں اجتہاد اسلامی آئے تو کہاں سے آئے۔ کیا ہم ایسے میں جدید نمونے کو من و عن اختیار کر لیں اسلام تو ایسا انقلابی مذہب ہے کہ اس نے رسم و رواج کو تبدیل کیا بلکہ عادات جو انسانی گھٹی میں پڑ چکی تھیں اور جن کے لئے آج بڑے ماہر نفسیات دانوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تبدیل کر دیئے جیسے شراب' جوا' سود خوری' بچیوں کا قتل کر دینا جب کہ آج کا ترقی یافتہ انسان سگریٹ جیسی عادت کا غلام ہو چکا ہے۔ مسلمان ایک منفرد قوم ہیں انہیں محض نقالی کے بجائے اپنی انفرادیت کو قائم رکھنا چاہئے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

(بشکریہ۔ روزنامہ نوائے وقت)

اسلام اور سائنس

(محمد عامر)

اسلام نے جو باتیں آج سے چودہ سو سال پہلے بتائیں آج سائنس اس کو ماننے پر مجبور ہے۔ ہمارا تو عقیدہ ہے کہ اسلام ایک سچا دین ہے اور جو باتیں ہمیں نبی پاک ﷺ نے بتائی ہیں وہ حتمی اور سچی ہیں۔ جب کہ سائنس اس کے برعکس جانچ پڑتال اور پرکھ کر کوئی بھی چیز چنتی ہے۔ اور بالآخر ایک دن اس نتیجے پر پہنچ جائیگی کہ واقعی یہ باتیں سچی ہیں۔ بہت سی باتوں میں سائنس نے یہ مان لیا ہے کہ واقعی یہ ٹھیک ہیں۔ ان کی وضاحت کچھ یوں ہے۔

1۔ تیمم کو ہی لیجے۔ اس کا حکم ۴ ہجری کو آیا۔ یعنی تقریباً آج سے چودہ سو سال پہلے۔ اب عام آدمی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھلا مٹی سے انسان کس طرح پاک ہو جاتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ مٹی میں NegativeChargePartcles ہوتے ہیں جب کہ انسان کے اندر یا کوئی بھی جراثیم ہوں positve Charge parhteles ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب انسان تیمم کے لئے ہاتھ مٹی کو لگاتا ہے تو وہ جراثیم، مٹی جذب کر لیتی ہے اور اپنی طرف کھینچتی ہے اور یوں جراثیم مر جاتے ہیں اور انسان کا ہاتھ اور چہرہ جہاں مٹی لگتی ہے پاک و صاف ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح نہانے سے صاف ہوتا ہے۔

2۔ اسی طرح مٹی کے برتن میں پینا اور کھانا بنانے میں بھی یہ حکمت پوشیدہ ہے۔ عام برتن میں کھانا بنانا یا پانی پینے میں جراثیم رہنے کا اندیشہ ہو سکتا ہے مگر مٹی کے برتن میں کسی قسم کا کوئی فکر نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں مٹی کے برتن میں جو کھانا بنتا ہو وہ زیادہ لذیذ محسوس ہوتا ہے برعکس اس کے جو کہ عام برتن میں بنا ہو۔

3۔ مسواک کو ہی لیجے۔ مسواک بھی ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی سنت ہے۔ ہمارے دانتوں کے اوپر ایک پالش کی تہ ہے۔ یہ قدرتی ہوتی ہے۔ اب ٹوتھ برش کرنے سے یہ تہہ آہستہ آہستہ گھستی چلی جاتی ہے مگر مسواک کرنے سے نہیں گھستی۔ بلکہ یہ اس کو اور زیادہ چمکانے کے کام آتی ہے۔

4۔ کھانے کے بعد ہمارے پیارے نبی ﷺ انگلیاں چاٹتے تھے۔ اب اس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ ہماری انگلیوں میں پروٹین پائے جاتے ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹتے ہیں وہ پروٹین ہمارے جسم میں جاتے ہیں اور کھانے کو ہضم کرنے میں مدد دیتے ہیں۔

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالےٰ کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالےٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش و خروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جارہا ہے؟
- نکبت وادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں؟

دنیائے اسلام کیلئے وقت کے اس اہم ترین سوال کا تفصیلی جواب معلوم کرنے کیلئے

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری رح

کی مندرجہ ذیل تصانیف ضرور پڑھیں

تعمیر ملت (مع ضمیمہ)	چراغ راہ	حقیقت وحدت الوجود
مجلد 260 صفحات قیمت -/100 روپے	پلاسٹک کور 300 صفحات قیمت -/100 روپے	پلاسٹک کور قیمت -/25 روپے

ملنے کا پتہ

- ادارہ اسلامیات 190 نئی انارکلی لاہور
- مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
- دیوا اکیڈمی پلاٹ نمبر 9'S.T بلاک نمبر 3 گلشن اقبال کراچی

براہ راست ہم سے بذریعہ وی پی منگوائیں تو ڈاک خرچ ہمارے ذمہ ہوگا۔

- مرکز تعمیر ملت سلسلہ عالیہ توحیدیہ پوسٹ بکس نمبر 600 گوجرانوالہ

FALAH-E-ADMIAT

Registred

CPL No. 491



"چراغ راہ" خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر مریدین کی تربیت اور راہنمائی کے لئے جو خطبات ارشاد فرماتے رہے یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے اس میں نئے سلسلہ کے قیام کے اغراض و مقاصد تفصیل سے درج کرنے کے علاوہ راہ سلوک کے پیچ و خم' نشیب و فراز اس میں پیش آنے والی رکاوٹیں اور پیدا ہو جانے والی غلط فہمیاں بیان کر دی گئیں ہیں اور صدیوں سے حل طلب روحانی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے ایسے ایسے نادر نکات بیان کئے گئے ہیں کہ یہ گیارہ خطبات ملت اسلامیہ کے لئے درس حیات اور سالکین کے لئے منارہ ہائے نور کی حیثیت رکھتے ہیں وہ خصوصی مسائل جن پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ ہیں۔

- ☆ سلوک و تصوف میں اپنے ذاتی تجربوں اور تحقیق کا بیان۔
- ☆ مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور میں کیسے کیسے فقیر ملے اور مرشد سے ملاقات کا حال۔
- ☆ ہمارے زوال میں امرا علماء اور صوفیاء نے کیا کردار ادا کیا؟
- ☆ علماء ظاہر اور اہل روحانیت صوفیاء کے اصلاح کے طریقوں میں کیا فرق ہے۔
- ☆ قوم میں تصوف خفتہ اور تصوف بیدار کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟
- ☆ تصوف کی اہمیت اور انسان کی زندگی پر اس کے اثرات۔
- ☆ عقل صمیم' عقل سلیم اور قلب سلیم کیا ہیں اور ان سے ہمیں کیا ملتا ہے۔
- ☆ یوگا' ہپناٹزم اور مسمریزم کی حقیقت اور انکے مقابلہ میں اسلامی روحانیت کی برتری اور فضیلت
- ☆ کرامات کی طاقت کس طرح حاصل ہوتی ہے اور کشف کیونکہ ہوتا ہے؟
- ☆ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی؟